تفقہ فی الدین کی روایت کا علم بردار

ماہ نامہ

مفاہیم

کراچی

ستمبر ۲۰۲۱ء

جلد ۱

فقہ اکیڈمی کا ترجمان

شمارہ ۱۰

لیتفقھوا فی الدین

فقہ اکیڈمی

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين

زاجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

اقبال

ليتفقهوا في الدين

ماہنامہ

مفاہیم

کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان | تفقہ فی الدین کی روایت کا علم بردار

مجلسِ مشاورت

- حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب
- ڈاکٹر محمد رشید ارشد
- مفتی اویس پاشا قرنی
- مولانا معراج محمد
- حافظ سید اسامہ علی
- استاذ ابرار حسین
- استاذ عابد علی بھٹی

سرپرستِ اعلیٰ

حضرت مولانا مفتی نذیر احمد ہاشمی صاحب مدظلہ

مدیر

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

نائب مدیر

حافظ حماد احمد ترک

فقہ اکیڈمی

C-335، بلاک-1، گلستان جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔ 3474 3662 21 92 + | 3474 3661 21 92 +

FIQHACADEMY.COM.PK FIQHACADEMY FIQHACADEMYPK +92 330 3474223

مضامین

نعت	لب پر نعتِ پاک کا نغمہ	صبیح رحمانی	۴
اداریہ	عہدِ نو مبارک ہو	مدیر	٦
درسِ قرآن	نفاق اور ضعفِ ایمانی کا اطلاق: ایک مغالطہ	مولانا محمد اقبال	۱۱
درسِ حدیث	محبتِ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ	ابنِ عباس	۱۵
	ایک بابرکت سفر کی روداد	زبیر احمد	۱۸
مقالات	بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۳)	صوفی جمیل الرحمن عباسی	۲۴
	مدرسہ کھولا ہے دوکان نہیں!	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	۳۷
فقہیات	القواعد الفقهية: المشقة تجلب التيسير (۲)	مفتی نذیر احمد ہاشمی	۴۰
ادبیات	خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اترے	احمد ندیم قاسمی	۵۲
	گوشۂ تصاویر		۵۴

سید صبیح الدین صبیح رحمانی

معروف نعت گو شاعر، ناقد، محقق

لب پر نعتِ پاک کا نغمہ

لب پر نعتِ پاک کا نغمہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے
میرے نبی سے میرا رشتہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے

اور کسی جانب کیوں جائیں اور کسی کو کیوں دیکھیں
اپنا سب کچھ گنبدِ خضریٰ کل بھی تھا اور آج بھی ہے

پست وہ کیسے ہوسکتا ہے جس کو حق نے بلند کیا
دونوں جہاں میں اُن کا چرچا کل بھی تھا اور آج بھی ہے

بتلا دو گستاخِ نبی کو غیرتِ مسلم زندہ ہے
دین پہ مر مٹنے کا جذبہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے

سب ہو آئے اُن کے در سے، جا نہ سکا تو ایک صبیحؔ
یہ کہ اِک تصویرِ تمنا، کل بھی تھا اور آج بھی ہے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

*****

مدیر

ماہنامہ مفاہیم، کراچی

عہدِ نو مبارک ہو

ہلالِ مُحرّم ہر سال طلوع ہو کر نئے قمری سال کی بنیاد رکھتا ہے تو ایک نیا سال شروع ہوتا ہے۔ نیا سال ’ ۱۴۴۳ ہجری‘ شروع ہو چکا ہے۔ لیکن کبھی کبھی محرم صرف سال نہیں بدلتا بلکہ دور ہی بدل دیتا ہے، گویا وہ مُحرّم ”عہد ساز“ ہوتا ہے۔ گردشِ ایام کے پہیے کو اسی کے نشانوں پہ چلاتے جائیں تو اکسٹھ ہجری کا مُحرّم آتا ہے، جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جان کی قربانی دے کر تاریخ رقم کی۔ امام حسین رضِی اللہ عنہ کے پاس راستے اور بھی تھے۔ رخصت کا راستہ بھی تھا اور انتظار کا راستہ بھی، سمجھانے والے آپ کو سمجھا رہے تھے اور کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ ابن عباس رضِی اللہ عنہ تھے۔ عابد الامہ حضرت عبداللہ بن عمر رضِی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضِی اللہ عنہ اور جانے کون کون تھا، لیکن حضرت حسین رضِی اللہ عنہ نے عزیمت کے راستے پر چل کر بے سرو ساماں شہید ہو جانے کو پسند کیا۔

حضور کریم ﷺ اپنی زندگی میں اس شہادت کی خبر بلکہ شہادت گاہ کی مٹی بھی جبریل علیہ السلام سے حاصل کر چکے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ سیدنا حسین رضِی اللہ عنہ اپنی شہادت کی خبر سے آگاہ ہو چکے ہوں، بہر حال آپ نے جان دینے کا ارادہ کیا۔ آپ یہ سمجھ چکے تھے کہ مملکت میں جتنی بڑی خرابی پڑ چکی ہے اور لوگوں کو جس طرح سے دبا لیا گیا ہے، شہروں کی دیواروں پر دیوِ استبداد کا جو سایہ ہے وہ کسی عام کوشش سے چھٹنے والا نہیں ہے۔ اس کے لیے کسی بڑی قربانی کی ضرورت ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ لوگ نیکی سے خالی ہو چکے تھے۔ نہی عن المنکر کے فریضے سے لوگ غافل بھی نہ ہوئے تھے اور بزدل

بھی نہ تھے۔ لیکن سبھی خاموش تھے۔ لوگوں کو اچانک ایسی مصیبت سے پالا پڑا تھا جو بالکل نئی تھی۔ عرب کے لوگ پہلے تو کسی حکومت سے واقف ہی نہ تھے۔ ہر قبیلہ اور اس کا سردار آزاد تھا اور خاندان کی سطح پر ہر سربراہِ خاندان آزاد تھا۔ پھر جب وہ حکومت سے واقف ہوئے تو یہ معصوم پیغمبرانہ حکومت تھی جس میں کسی کمی بیشی کا سوال ہی نہ تھا۔ اس کے بعد ان کا سابقہ نبوت کے نقشِ قدم پہ چلنے والی خلافتِ راشدہ سے پڑا جس کے آخری حصے میں اگرچہ کچھ ناپسندیدہ حالات واقع ہوئے لیکن امورِ سلطنت میں جور و ستم کا کوئی دخل نہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور چاہے خلافتِ راشدہ میں نہ بھی شامل کیا جائے لیکن آپ کے راج میں آپ کے اصولی مخالف بھی ''چین کے دن مزے کی راتیں'' بسر کر رہے تھے کہ آپ کا سایہ امت کے سر سے اٹھ گیا اور یزید امت کے سر ہو گیا۔ اگرچہ یزید اور اس کے ہر کاروں کے کھلے ظلم و ستم ابھی شروع نہ ہوئے تھے لیکن آثار سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اندازہ کر لیا تھا۔ یزید کو تخت سے اتارنے اور تختے پہ چڑھانے کا کوئی طریقہ آپ کے پاس نہ تھا۔ آپ کے پاس ایک ہی طریقہ تھا کہ ''خود را بر سلطنتِ جم زن'' کے مصداق خود کو حکومتِ جابرہ سے ٹکرا دیں۔ آپ بحر کی موجوں میں اضطراب پیدا کرنا چاہتے تھے۔ آپ سلطنت جمشید سے ٹکرانے عراق کی جانب رواں ہوئے اور خود کو شہادت کے لیے پیش کر دیا۔ لوگ آپ کو سمجھاتے ہوئے کہتے کہ ہمیں خدشہ ہے آپ کو شہید کر دیا جائے گا، آپ مسکرا کر ایسا کلام کرتے کہ گویا انھیں یقین تھا کہ شہید کیے جائیں گے۔ چنانچہ آپ کربلا پہنچے اور روایت میں آتا ہے کہ آپ نے اس کے نام کو الگ کر کے ''کرب و بلا'' ادا کیا۔ یہاں دکھ بھی تھا اور مصیبت و آزمائش بھی۔ آپ نے ساتھیوں سمیت سب کچھ برداشت کیا اور جامِ شہادت پی کر سیادتِ شبابِ جنت کے رتبے پر فائز ہوئے۔ خونِ شہیداں رنگ لایا۔ سوئے ہوئے جاگ اٹھے اور جاگے ہوئے ہشیار ہوئے۔ اِدھر اُدھر سے تحریکیں اٹھنا شروع ہوئیں اور چند ہی دہائیوں میں یزیدی سلطنت کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا:

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے　　　اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یہ تو پہلی صدی کے ایک مُحرّم کی بات تھی، اب آتے ہیں ۱۴۴۳ ہجری کے مُحرّم کی داستان کی طرف:

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم　　　نہایت اس کی حُسین، ابتدا ہے اسمٰعیل

یہاں نہایت کو 'انت' کے معنی میں لینا چاہیے یعنی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے داستانِ حرم کو اوجِ کمال تک پہنچایا، نہ کہ اس کے سلسلے کو منقطع کیا کہ حسینی آپ کے اسوے پر تاقیامِ قیامت چلتے رہیں گے۔ تو اِن پیروانِ حسین کا آج کل نام "طالبان" ہے۔ نام سے ظاہر ہے کہ یہ گروہ علومِ دین کے حاملین کا ہے اور ان کے کام سے ظاہر ہے کہ یہ ملک و قوم کے محافظ و مجاہد ہیں:

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل　　　اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل

طالبان ایک طرف تو علمِ دین کے حامل ہیں اور اس واسطے غیرت سے سرشار، اور خودی ان کی جامِ عشق سے سرمست، چنانچہ امریکا کے دباؤ میں آکر انھوں نے مسلمانوں کو بیچ کر ڈالر کھرے کرنے کے بجائے اس کو کھری کھری سنائیں: "اگر ہمارے شہریوں نے تمھارے ٹاور گرائے ہیں تو کوئی ثبوت پیش کرو اگر تم سچے ہو تو" لیکن سامنے والا جھوٹا تھا لہذا دھونس دھاندلی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اُدھر شہروں اور ملکوں میں کافروں کی چلت پھرت عروج پر تھی۔ وعدے اور معاہدے کیے جا رہے تھے، عالمی حملہ آور اتحاد تشکیل دیا جا رہا تھا اور قرار دادیں منظور کی جا رہی تھیں، اور اِدھر ہمدرد سمجھا رہے تھے اور مختلف حیلے بہانے سکھائے جا رہے تھے لیکن یہاں وہی عزم و استقلال، وہی توکل اور شوقِ شہادت جو پہلی صدی ہجری میں دیکھا گیا تھا۔ ملا عمر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ہی جواب تھا: "ثبوت دو اور بندہ لو"۔ انھی دنوں کی یہ بھی خبر چلی تھی کہ انھوں نے فرمایا: "میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی اور آپ فرما رہے تھے کہ ان کفار کے خلاف جہاد کرو"۔ چنانچہ طالبان ملا عمر رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں اپنے موقف پر جازم رہے۔ کلمے کے نام پر بننے والے پاکستان نے اپنے پڑوسی کے خلاف عالمی غنڈوں کو اڈے اور دیگر معاونت فراہم کی اور کئی ملکوں کی متحدہ افواج نے اندھا دھند بمباری شروع کر دی اور پورے ملک کو ادھیڑ کر رکھ دیا۔ طالبان کی حکومت چلی گئی لیکن غیرت باقی تھی اور وہ صورِ اسرافیل پھونکنے کا ہنر جانتے تھے چنانچہ انھوں نے شہروں کو خیر باد کہا:

نہ ڈھونڈو شہر میں فرہاد و مجنوں کا ٹھکانا تم　　　کہ ہے عشاق کا مسکن کبھو صحرا کبھو پربت

توصحراو بیابانوں میں چھپ چھپا کر پہلے تو آتش و آہن کے گردِ سموم کے بیٹھنے کا انتظار کیا گیا، پھر آہستہ آہستہ اسی سلسلۂ جہاد کو شروع کیا گیا جس سے سویت یونین کو روس بنایا گیا تھا۔ اس دوران وہ بہت سے کرب و بلا سے گزرے۔ رشتے ناتے دور ہوئے۔ بھوک پیاس سے چور ہوئے۔ جیل خانوں کے اسیر ہوئے۔ پاکستانی اور افغانی جیلوں سے لے کر، گوانتاناموبے تک کی اذیتیں، لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ نہ انھوں نے کوئی فرمانِ جنوں ٹالا، نہ کسی صدائے جرس کو تنہا لوٹایا، غیروں کی دشنام طرازیاں اور اپنوں کی ملامت اندازیاں، اگرچہ جاری رہیں اور انھیں 'تنہا پس زنداں کبھی رسوا سرِ بازار' کا نظارہ بارہا دیکھنا پڑا۔ لیکن عشقِ بلاخیز کا یہ قافلۂ سخت جاں اہلِ ہوس کی مصلحتوں کو بھلا کر ((اَلْجِهَادُ مَاضٍ)) ''جہاد جاری رہے گا'' کی تعبیرِ عملی میں لگا رہا۔

شکستہ پائی سے ہوتی ہیں بستیاں آباد　　　جواَب قبیلہ ہوا پہلے قافلہ ہوگا

ان کی قربانیوں سے آخر امریکا اسی دوراہے پر آ گیا جس پر سلطنتِ برطانیہ بیسوی صدی کی پانچویں دہائی میں اور سویت یونین اسی صدی کی نویں دھائی میں کھڑی تھی کہ اپنے دامن کو سمیٹو اور جہاں تک ہو سکے بچتے بچاتے نکل جاؤ۔ بہت منت ترلے کر کے طالبان کو مذاکرات پر لایا گیا اور امن معاہدے کے بعد غیر ملکی افواج کا اخراج عمل میں آیا۔ اس کے بعد طالبان مختلف صوبوں کا قبضہ چھڑاتے ہوئے آخر کار کابل تک پہنچے اور بیس سالہ غاصبانہ قبضے سے امارتِ اسلامیہ افغانستان کے دار الخلافہ کو آزاد کرا لیا گیا۔ اس عظیم الشان فتح کے موقعے پر صدارتی محل کا افتتاح سورۃ النصر کی تلاوت سے کیا گیا۔ طالبان نے عام معافی کا اعلان کر دیا ہے اور ابھی وہ حکومت کی باقاعدہ تشکیل میں مصروف ہیں۔

طالبان کے پہلے دورِ حکومت اور اس دور میں فرق ہے۔ پہلے دورِ حکومت میں طالبان کو روسی جارحیت اور خانہ جنگی سے لہولہان اور لٹا پٹا افغانستان ملا تھا۔ انھوں نے ایک طرف تو بدامنی کا خاتمہ کر کے امن قائم کیا اور دوسری طرف اسلامی حدود و تعزیرات نافذ کیں جس سے جرائم کا سدباب ہو گیا۔ افغانی چونکہ طویل خون خرابے اور غربت کے ستائے ہوئے تھے اس لیے ان کے حکومت سے کچھ خاص تقاضے و مطالبے نہ تھے۔ مل گیا تو بھلا اور نہ ملا تو بھلا۔

لیکن اب کا افغانستان مختلف ہے۔ اسے عالمی امداد کی چاٹ لگ چکی ہے۔ دوسروں کے پیسے سے اس کی سڑکیں اور عمارتیں پختہ ہیں۔ انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع مواصلات کا استعمال عام ہو چکا ہے اور لوگ آزادئ رائے اور شخصی حقوق کے بارے میں پہلے سے زیادہ جانتے بھی ہیں اور حساس بھی ہیں۔ دوسری طرف طالبان بھی وہ پرانے والے نہیں ہیں بلکہ اب وہ میڈیا کے استعمال سے واقف، پروپیگنڈے کے توڑ کی صلاحیت کے حامل اور سیاست کے ماہر بن چکے ہیں۔ لیکن عالمی مالیاتی اور سیاسی اداروں کی چالوں اور سازشوں سے بچنا ان کا اصل چیلنج ہے۔ اگرچہ طالبان کا رابطہ چین سے ہو چکا ہے جو خوش آئند ہے لیکن ابھرتی ہوئی اسلام مائل؛ مسلمان ریاست ترکی سے ربط ضبط بھی بہت ضروری ہے۔ بدقسمتی سے طالبان اور ترکی کے درمیان کچھ غلط فہمی بھی رہی لیکن امید ہے کہ یہ غلط فہمیاں دور ہو کر دونوں ریاستیں ایک دوسرے کو مفادات کے حصول میں معاونت کریں گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام مسلمان ملکوں کو اتحاد و اتفاق اور نظام و قانونِ اسلام کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

*****

مولانا محمد اقبال
معاونِ شعبہ تحقیق و تصنیف، فقہ اکیڈمی

نفاق اور ضعفِ ایمانی کا اطلاق: ایک مغالطہ

سورۂ توبہ آیت نمبر: ۱۰۳، ۱۰۲

﴿وَآخَرُونَ اعتَرَفُوابِذُنُوبِهِم خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ أَن يَّتُوبَ عَلَيهِم إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۝ خُذْ مِن أَموَالِهِم صَدَقَةً تُطَهِّرُهُم وَ تُزَكِّيهِم بِهَا وَ صَلِّ عَلَيهِم إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُم وَ اللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

”اور کچھ لوگ وہ ہیں جنھوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرلیا ہے۔ انھوں نے ملے جلے عمل کیے ہیں، کچھ نیک کام اور کچھ برے۔ امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرلے گا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (اے پیغمبر!) ان لوگوں کے اعمال میں سے صدقہ وصول کرلو جس کے ذریعے تم انھیں پاک کردو گے اور ان کے لیے باعث برکت بنو گے، اور ان کے لیے دعا کرو۔ یقیناً تمھاری دعا ان کے لیے سراپا تسکین ہے، اور اللہ ہر بات سنتا اور سب کچھ جانتا ہے“۔

تفسیر

غزوۂ تبوک کے موقعے پر جب رسول اللہ ﷺ نے جہاد کی دعوت دی اور سب کو نکلنے کا حکم فرمایا تو اس موقعے پر اہلِ مدینہ کے تین گروہ بن گئے۔ قرآنِ کریم نے ان تینوں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے ایک جماعت تو ان جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی جو رسول اللہ ﷺ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے جہاد کے لیے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نکل پڑے، قرآن کریم

نے ان کا ذکر ”سابقین اولین“ جو مہاجرین اور انصار پر مشتمل تھے اور نیکی میں ان کے ”متبعین“ جو دیگر صحابہ کرام تھے، کے عنوان سے کیا ہے اور جن کی بڑی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ دوسرا گروہ منافقین کا تھا جنھوں نے جہاد میں جانے سے پہلو تہی کرتے ہوئے جھوٹے اعذار پیش کیے۔ یہ منافقین تو اپنی منافقت کی بنا پر اللہ کی راہ میں لڑنے سے پیچھے ہٹے اور غزوہ تبوک میں شامل نہیں ہوئے، قرآن کریم نے ان کا پردہ چاک کیا ہے: ﴿وَمِمَّن حَولَكُم مِّنَ الأَعرَابِ مُنٰفِقُونَ وَمِن أَهلِ المَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعلَمُهُم نَحنُ نَعلَمُهُم﴾ ”اور تمھارے ارد گرد جو دیہاتی ہیں، ان میں بھی منافق لوگ موجود ہیں، اور مدینہ کے باشندوں میں بھی۔ یہ لوگ منافقت میں (اتنے) ماہر ہو گئے ہیں (کہ) تم انھیں نہیں جانتے، انھیں ہم جانتے ہیں“۔ جبکہ تیسرا گروہ ان مخلص مسلمانوں کا تھا جو سستی کی وجہ سے جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے اور انھوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔ آیتِ زیرِ مطالعہ میں اس تیسرے گروہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

روایات کے مطابق اس تیسرے گروہ میں کل دس حضرات تھے۔ ان میں سے سات وہ تھے جن کو حضور اکرم ﷺ کی تبوک سے واپسی سے پہلے اپنی غلطی پر انتہائی ندامت اور شرمندگی ہوئی اور اپنے آپ کو بطورِ سزا مسجدِ نبوی کے ستونوں سے باندھا۔ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے اور ان حضرات کو ستونوں سے بندھا ہوا دیکھا تو آپ ﷺ کو علم ہوا کہ انھوں نے سزا کے طور پر اپنے آپ کو ستونوں سے باندھا ہے۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان حضرات نے از خود ایسا کیا ہے، اب اس وقت تک میں بھی انھیں نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ان کے حق میں نہیں آتا۔ اس موقعے کی مناسبت سے یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں کھولنے کا حکم دیا۔ توبہ کے قبول ہونے کے بعد شکرانے کے طور پر ان حضرات نے اپنے اموال میں سے صدقہ کرنے کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں صدقات پیش کیے۔ رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا کہ مجھے تم سے کوئی مال لینے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”(اے پیغمبر!) ان لوگوں کے اعمال میں سے صدقہ وصول کر لو جس کے ذریعے تم انھیں پاک کر دو گے اور ان کے لیے باعثِ برکت بنو گے، اور ان کے لیے دعا کرو۔ یقیناً تمھاری دعا ان کے لیے سراپا تسکین ہے، اور اللہ ہر بات سنتا اور سب کچھ جانتا

ہے"۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کے صدقات کو قبول فرمالیا۔ (تفسیر ابی السعود، ج:۴، ص:۱۶۲/ بخاری: ۴۶۷۷ بمطابق مکتبۃ البشریٰ)

ان دس صحابہ کرام میں وہ سات جنھوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ رکھا تھا ان کی توبہ کی قبول کی گئی جبکہ باقی تین حضرات کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا۔ اور ان کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا: جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان تینوں کے متعلق کوئی واضح حکم نہ آئے اس وقت تک مسلمان ان کا سوشل بائیکاٹ (سماجی مقاطعہ) کریں۔ پچاس دن تک ان حضرات سے مکمل مقاطعہ کیا گیا، ان سے کسی نے حتیٰ کہ ان کی ازواج نے بھی بات نہیں کی۔ ان دنوں میں ان پر کیا گزری، قرآن کریم میں اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے: ﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتّٰى إِذَا ضَاقَت عَلَيهِمُ الأَرضُ بِمَا رَحُبَت وَ ضَاقَت عَلَيهِم أَنفُسُهُم وَ ظَنُّوا أَن لَّا مَلجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيهِم لِيَتُوبُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ "اور ان تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب ان پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی، ان کی زندگیاں ان پر دوبھر ہوگئیں، اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے خود اسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی، تو پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا، تاکہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رجوع کیا کریں۔ یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے"۔ چونکہ ان حضرات نے اپنی غلطی کو تسلیم کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی اور منافقین کی طرح بہانے بازی نہیں کی اور نہ کوئی عذر پیش کیا۔ آیتِ مذکورہ کا مصداق یہی تیسرا طبقہ ہے، تمام مفسرین نے اس کا مفہوم و مصداق یہی ٹھہرایا ہے۔ (تفسیرِ ابی السعود، ج:۴، ص:۱۶۲/ تفسیر ابن ج:۲، ص:۲۰۷/ تفسیرِ طبری، ج:۴، ص:۴۶۴/ تفسیرِ مظہری، ج:۳، ص:۳۵۵/ ترمذی: ۳۱۰۲ بمطابق مکتبۃ البشریٰ)

آیتِ مذکورہ کی غلط تفسیر

عصرِ حاضر کے بعض مشہور مدرسینِ قرآن نے آیتِ زیرِ مطالعہ کا ایک غلط مفہوم بیان کیا ہے جو صرف آیتِ مذکورہ کے سیاق و سباق سے میل نہیں کھاتا، بلکہ اکابر مفسرین کی تفسیر کے بھی خلاف ہے۔ مثلاً ایک داعیِ قرآن سورۂ بقرہ میں بیان کیے گئے تین طبقوں کے متعلق؛ اپنی ایک تصنیف میں فرماتے ہیں: "تیسرے طبقے کے لیے دوسرا رکوع پورے کا پورا مختص کیا

گیا ہے۔ اس طبقے کا بہ تمام وکمال اطلاق یا تو منافقین پر تھا یا پھر اُس دور کے یہودی علما پر، لیکن اس سے کم تر درجے میں وہ لوگ بھی اس زمرے میں آتے ہیں جو ضعفِ ایمان میں مبتلا ہیں۔ ان کے بارے میں سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا: ﴿خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا﴾ (التوبہ:۱۰۲) یعنی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے اندر نیکیاں اور برائیاں جمع کر لیتے ہیں۔ یہ اصل میں اس بیماری کے مختلف shades ہیں۔ منافقین میں یہ بیماری درجہ بدرجہ بڑھتی جاتی ہے۔ ازروے الفاظِ قرآنی: ﴿فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ (البقرۃ:۱۰) بدقسمتی سے ہماری ایک عظیم اکثریت کسی نہ کسی طرح اس مرض میں مبتلا ہے، لہٰذا اس کا شمار اسی زمرے میں ہوتا ہے"۔

اس میں آیتِ مذکورہ سے نفاق اور ضعفِ ایمان پر استدلال کیا گیا ہے جو سراسر بے احتیاطی پر مبنی تفسیر ہے، اس لیے کہ جن حضرات کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے، ان میں خدانخواستہ نفاق یا ایمانی کمزوری نہیں تھی، بلکہ وہ کامل مومن تھے، ان کے مخلص مومن ہونے کی گواہی خود اللہ کے رسول ﷺ نے دی ہے۔ البتہ ان سے ایک عملی کمزوری سرزد ہوئی جو نفاق یا ضعفِ ایمان پر دلیل نہیں، اس لیے کہ اعمال کا ایمان کی ماہیت میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اسی طرح موجودہ دور کے مسلمان عملی لحاظ سے جیسے بھی گئے گزرے کیوں نہ ہوں، انھیں صرف عملی کوتاہیوں کی بنیاد پر نفاقِ اعتقادی کا مصداق قرار دینا بڑی جسارت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے جب تک ہمارے پاس نفاق کی کوئی واضح دلیل نہ ہو کسی پر حکم لگانا جائز نہیں ہے، اور ویسے بھی یہ کسی فقیہ کا وظیفہ ہے کہ وہ دلائل کا جائزہ لے اور حکم کرے۔ کسی عوامی مدرس کو حکم کرنے کی اجازت شریعت میں نہیں ہے، اس لیے کہ ان کا میدان نہیں ہے۔

*****

ابنِ عباس
معاون قلم کار

محبتِ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ((حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ أَحَبَّ اللهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ))(سنن ترمذي المستدرك على الصحيحين و صححه الحاكم و الترمذي) حضرت یعلی بن مرة رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ اُس سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے اور حسین قبیلوں میں سے ایک قبیلہ ہیں“۔

تشریح

((حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ))”حسین مجھ سے ہے اور میں حسین میں سے ہوں“: یہ اہلِ عرب کی ایک خاص اصطلاح اور ترکیب ہے جب کسی کے ساتھ اپنے نہ ختم ہونے والے اور دائمی تعلق کو بیان کرنا مقصود ہو تو اس کے لیے یہ الفاظ لاتے ہیں۔ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سننِ ابنِ ماجہ کے حاشیے پر ان الفاظ کی شرح میں لکھتے ہیں: ”یعنی ہمارے درمیان ایسا اتحاد اور اتصال ہے کہ یہ کہنا بجا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے ہیں“۔ نبی کریم ﷺ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں اتصال و اتحاد کی جہات بہت ساری ہیں۔ سب سے پہلے تو حسین رضی اللہ عنہ آپ کی نسل میں سے ہیں اور آپ کی اولاد میں سے ہیں اور آپ کے سلسلہ نسل کو آگے چلانے کا ذریعہ بنے ہیں، گویا آپ دونوں میں اصل اور فرع کا

تعلق ہے۔ آپ ﷺ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اتحاد کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہہ تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ ہیں: كَانَ مِنْ أَشْبَهِهِمْ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ (سننِ ترمذی) ''وہ رسول اللہ ﷺ کے بہت زیادہ مشابہ تھے''۔ جسمانی مشابہت کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ اخلاق و اوصاف میں بھی اپنے جدِ کریم ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ عبادات میں رسول اللہ ﷺ کا کامل اتباع کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی طرح سخاوت کرنے والے تھے۔ قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی طرح رویا کرتے تھے۔ دینِ حق کے لیے قربانی، صبر و مصابرت اور توکل و اعتماد میں بھی آپ اپنے نانا محترم علیہ الصلاۃ السلام کے متبع تھے۔ اس کا ایک نمونہ ہمیں واقعہ کربلا میں ملتا ہے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی طرح لوگوں کی آخرت کی فکر کرنے والے تھے۔ میدانِ کربلا میں آپ کے وعظ اس کی روشن مثالیں ہیں۔

(أَحَبَّ اللهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا) ''اللہ اس سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرے''۔ یہ محبت کا اصول ہے کہ محب اپنے محبوب کی پسند کو بھی پسند کرتا ہے۔ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایسے اقوال ملتے ہیں جس میں وہ کسی چیز کا نام لے کر بتاتے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کو پسند ہے لہذا میں بھی اسے پسند کرتا ہوں۔ یاد رہنا چاہیے کہ یہ اصول جس طرح محبت میں کام کرتا ہے اسی طرح نفرت و عداوت میں بھی کام کرتا ہے، یعنی محبوب کو جو شے ناپسند ہو وہ محب کو بھی ناپسند ہو جاتی ہے۔ یہ اصولی رہنمائی اللہ کے نبی ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں دی ہے: ((فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ))(سننِ ترمذی) ''جو اِن سے محبت کرتا ہے پس وہ میری محبت کے سبب اِن سے محبت کرتا ہے اور جو اِن سے عداوت رکھتا ہے وہ میری دشمنی میں اِن سے عداوت رکھتا ہے''۔ لہذا نواسۂ رسول ﷺ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی محبت رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ذریعہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی محبت اللہ تعالی کی محبت کا ذریعہ ہے، تو اسی لیے فرمایا کہ جو حسین سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں بطورِ خاص سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی محبت کا ذکر اس لیے کیا کہ آپ ﷺ کو وحیِ الٰہی سے ان حادثات کا بتایا جا چکا تھا جو امام حسین کو پیش آنے والے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے

امام حسین رضی اللہ عنہ کی محبت کا خصوصی ذکر کیا تاکہ لوگوں پہ اچھی طرح واضح ہو جائے کہ محبت کے وجوب اور اختلاف و افتراق کے وقت حسین میرا شریک ہے"۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے اندازِ بیاں سے سمجھ لینا چاہیے کہ اگرچہ محبت کا خاص ذکر حسین رضی اللہ عنہ کے لیے کیا گیا لیکن عمومی طور پر تمام ہی اہل بیت اور اولادِ رسول کے لیے محبت رکھنا ضروری ہے۔ اہل بیت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:((أَحِبُّوا أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي))(سننِ ترمذی)"میری محبت میں میرے اہلِ بیت سے بھی محبت کرو" ۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما دونوں کا نام لے کر فرمایا:((مَنْ أَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي))(سننِ ابنِ ماجہ)"جس نے حسن اور حسین سے محبت کی، اسی نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا" ۔

(حُسَيْنٌ سِبطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ) "حسین قبیلوں میں سے ایک قبیلہ ہیں"۔ سِبط، سَبط سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے ایسا درخت جس کی شاخیں بے شمار ہوں۔ اس کا ایک معنی اولاد ہے۔ مراد یہ ہے کہ حسین میری اولاد میں سے ہیں، لیکن اللہ نے ان کو خاص رتبہ دیا۔ جب کسی شخص کی اولاد زیادہ پھیلتی ہے تو اس سے قبیلہ وجود میں آتا ہے تو سِبط کا ایک معنی قبیلہ بھی ہے، ان معنوں میں بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو سبط کہا جا سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا سلسلۂ اولاد چلے گا ۔آپ کی اولاد پھیلے گی اور کثرت سے پھیلے گی اور فی الواقع ہوا بھی ایسے ہی ہے۔ قبیلے کا لفظ ہم مشرب و ہم مقصد جماعت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے قلمِ قبیلہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ جس طرح سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک امت قرار دیا گیا:﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً﴾ موضح القرآن میں اس آیت میں امت کا ترجمہ راہ ڈالنے والا کیا گیا ہے، تو اسی طرح سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اپنی ذات میں ایک قبیلہ، ایک امت اور ایک انجمن ہیں جنھوں نے باطل کے سامنے جھکنے کے بجائے سینہ سپر ہونے کی راہ ڈال دی یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ آزادی و حریت اور صداقت کا ایک عالمگیر استعارہ بن گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان کی محبت عطا کرتے اور ان کے نقش قدم پہ چلنے والا بنائے، آمین۔

****

زبیر احمد
استاذ فقہ اکیڈمی

ایک بابرکت سفر کی روداد

نبی کریم ﷺ کے بہت سارے فرامین میں زیارتِ قبور کی ترغیب دی گئی اور ان روایات میں اس کی حکمت و فائدے کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((زُورُوا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ)) (صحیح مسلم) "قبروں کی زیارت کیا کرو اس لیے کہ وہ موت کی یاد دلاتی ہے"۔ ایک روایت میں اس کی حکمت یوں بیان کی گئی: ((تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ)) (ابن ماجہ) "دنیوی زندگی میں زہد پیدا کرتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے"۔ مندرجہ بالا فوائد تو عام لوگوں کی قبر پر جانے سے بھی حاصل ہوتے ہیں لیکن صالحین کی قبروں کی زیارت میں دہرا فائدہ ہے، جس کی طرف ابن الحاج المالکی نے اشارہ کیا ہے: أَنَّ زِيَارَةَ قُبُورِ الصَّالِحِينَ مَحْبُوبَةٌ لِأَجْلِ التَّبَرُّكِ مَعَ الِاعْتِبَارِ "نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت کرنا پسندیدہ امر ہے اس لیے کہ اس میں عبرت کے ساتھ، تبرک بھی ہے"۔ نبی کریم ﷺ جنت البقیع میں تو اکثر جایا کرتے تھے لیکن شہدائے کرام کی قبروں پر خصوصیت سے تشریف لے جاتے تھے: ((زَارَ قُبُورَ الشُّهَدَاءِ بِأُحُدٍ)) (مستدرک حاکم) "نبی کریم ﷺ، شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کو تشریف لے گئے" ایک روایت میں آتا ہے ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ رَأْسِ الْحَوْلِ، فَيَقُولُ: ((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ))

قَالَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ يَفْعَلُونَ ذَلِكَ (مصنف عبدالرزاق)''رسول اللہ ﷺ شہیدوں کی قبروں پر ہر سال کے شروع میں جایا کرتے تھے اور جاکر کہا کرتے کہ تم پر سلام ہو بسبب جو تم نے صبر کیا پس آخرت کا گھر تو کیا ہی خوب ہے راوی کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے''۔

اس موقعے پر سفر کی روداد کے آغاز سے پہلے ایک اور حدیثِ مبارکہ کا تذکرہ کرنا فائدے سے خالی نہیں ہوگا: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ:((لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي هذا، وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى))(سنن نسائي، كتاب المساجد، باب ماتشدّ الرحال إليه من المساجد)''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مسجدِ حرام، میری یہ مسجد مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کے سوا کسی (اور مسجد) کی طرف رَختِ سفر نہ باندھا جائے''۔اس حدیث مبارکہ سے بعض اہلِ ظواہر یہ مطلب لیتے ہیں کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی نیت کر کے سفر کرنا یا زیارتِ قبور کی نیت کر کے سفر کے لیے نکلنا جائز نہیں حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ کے روضۂ انور کی نیت سے سفر کرنا بھی جائز نہیں، اگر سفر کرنا ہے تو مسجد نبوی کی نیت کی جائے نہ کہ روضۂ مبارک کی۔ اس اشکال کے متعدّد جواب علمائے امت نے دیے جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، ایک جواب یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ کہ اس روایت میں استثنا مطلق ہے یا مقید؟ اگر یہ اِستثنا مطلق یعنی عمومیت پر مبنی ہے تو اس سے ہر قسم کا سفر ناجائز قرار پائے گا اور یہ بات خلافِ عقل و خلافِ شرع ہے۔ لہٰذا اس سے اِستثنا مقید ہی مراد لینا درست ہے یعنی یہ نہی محض مساجد کے ساتھ مختص ہے، اب مطلب یہ ہو جائے گا کہ نماز کا زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے سوائے اِن تین مساجد کے؛ کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس روایت کی شرح میں سنن نسائی کے حاشیے حاشية السورتي میں شیخ وصی احمد سورتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: '' بعض علما اس حدیث کے ظاہر کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرف گئے ہیں کہ تین مساجد کی نیت کے علاوہ سفر کرنا جائز نہیں۔ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ امام الحرمین (عبدالملک الجوینی) و دیگر شافعیہ کے نزدیک رخت سفر باندھنا ممنوع نہیں ہے اور اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مکمل فضیلت جو (روایات میں نقل ہوئی کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نماز کے

برابر ہے وغیرہ) اس نیت سے ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں، اس نیت کے علاوہ جائز ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ نماز کے لیے کسی اضافی ثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں۔ اور جہاں تک کسی نیک آدمی کی زیارت کی نیت یا اسی قبیل کی دیگر نیات (مثلاً زیارت قبور) سے سفر کرنے کا معاملہ ہے تو وہ اس نہی میں داخل نہیں، اور اس بات کی تائید مسند احمد کی ایک روایت سے ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''نمازی کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ (اضافی ثواب کے حصول کی نیت سے) ان تین مساجد کے علاوہ رَختِ سفر باندھے''۔ اور یہی بات علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لکھی ہے''۔

چنانچہ زیارت قبورِ صالحین کی اس سنت پر عمل پیرا ہونے کے لیے، حضرت مفتی اویس پاشا قرنی صاحب مدظلہ کی سرپرستی میں ایک خصوصی سفر کا اہتمام کیا گیا۔ پیشِ نظر یہ تھا کہ ہمارے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے وہ بزرگ جن کی قبور پاکستان میں ہیں، ان کی زیارت کا شرف حاصل کیا جائے اور سفر کے دوران حضرت مفتی صاحب کی صحبت و اصلاح سے بھی استفادہ کیا جائے۔

اس سفر میں کُل چار افراد شریک تھے، استاذِ محترم حضرت مفتی اویس پاشا قرنی صاحب مدظلہ، حافظ سید اسامہ علی صاحب، جناب عابد علی صاحب اور راقم۔ سفر کی ابتدا ۲۸ جولائی ۲۰۲۱ء، بروز منگل، رات گیارہ بجے فقہ اکیڈمی کراچی سے ہوئی۔ سلسلۂ زیارت کا آغاز شیخ الحدیث حضرت مولانا اسفندیار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر حاضری سے ہوا جو مدرسہ دارالخیر گلستان جوہر، بلاک ایک میں واقع ہے۔ رات کا وقت تھا، ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی اور حضرت کی قبرِ مبارک کے اردگرد ایک خاص سکینت محسوس کی جاسکتی تھی۔ حضرت کی قبر مبارک کے پاس آپ کی اہلیہ اور آپ کے ایک صاحبزادے کی قبر بھی ہے۔ ایصالِ ثواب و دعا کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے، رات گئے ایک جگہ رک کر چائے پی اور تھوڑا سستانے کے بعد پھر روانہ ہوئے، فجر کے وقت مورو پہنچے، وہاں ایک ہوٹل میں قیام کیا اور فجر کی نماز ادا کرکے کچھ دیر کے لیے سوگئے۔ صبح تقریباً ۹ بجے بیدار ہو کر پھر سفر کا آغاز کیا۔

اب ہمارے پیشِ نظر مسکین پور شریف کی خانقاہ تھی، جو کہ پنجاب کے ضلع مظفر گڑھ کی تحصیل جتوئی میں واقع ہے۔

راستے میں ضلع رحیم یار خان کے ایک شہر ظاہر پیر میں واقع ایک مدرسہ عربیہ احیاء العلوم میں حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ حضرت کی درسِ قرآن کے حوالے سے کافی شہرت ہے اور آپ درس قرآن ودورۂ تفسیر کا ایک خاص روایتی انداز رکھتے ہیں۔ کراچی میں ہر سال آپ کا دورۂ تفسیر رمضان المبارک میں منعقد ہوتا ہے، جس میں کثیر تعداد میں علما وطلبہ شرکت کرتے ہیں۔ اس دورۂ تفسیر کے بعد حضرت اجازتِ دورۂ تفسیر بھی دیتے ہیں۔ آپ نے حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کسبِ علم کیا ہے۔ ہم سہ پہر ۳ بجے مدرسے پہنچے اور تقریبًا ایک گھنٹے کی حضرت سے ملاقات رہی۔ حضرت نے خوب شفقت فرمائی اور قیمتی نصیحتوں سے نوازا۔ حضرت قومی زبان کا خاص ذوق رکھتے ہیں۔ دورانِ گفتگو اردو مخمل میں انگریزی ٹاٹ کے پیوند لگانے کے بہت خلاف ہیں۔ انھوں نے ہمیں بھی انگریزی الفاظ کے بے جا استعمال سے منع فرمایا۔ حضرت کی دعائیں سمیٹتے ہوئے ۴ بجے کے قریب ہم دوبارہ مسکین پور شریف کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔ رات ۹ بجے جب ہم مسکین پور شریف خانقاہ میں پہنچے تو پتا چلا کہ یہاں کے شیخ و مربی حضرت مولانا سید محمد شاہ قریشی صاحب دامت برکاتہم اُس وقت خانقاہ میں تشریف فرما نہیں ہیں بلکہ حضرت مولانا کسی سفر پر ہیں۔ یہاں حضرت کے صاحبزادے حضرت مولانا کاشف شاہ صاحب نے گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا اور مہمان خانے میں لے گئے۔ آپ نے اکرامِ ضَیف کا حق ادا کیا اور ہمارا بہت خیال رکھا۔ آپ نے اپنی خانقاہ کی مصروفیات و مشاغل اور خدمات کا تعارف کرایا اور بعد ازاں خانقاہ کا دورہ بھی کرایا۔ خانقاہ مسکین پور شریف ہی میں حضرت پیر فضلِ علی قریشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار واقع ہے چنانچہ یہاں حاضری دی۔ ان کے لیے ایصالِ ثواب اور دعا کی۔ یہ خانقاہ حضرت پیر فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے آباد کی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بڑے بزرگ اور صاحب کشف تھے۔ حضرت کی بزرگی کا اندازہ اس سے کریں کہ بہت ساری نامور شخصیات آپ سے بیعت تھیں جن میں مفتی اعظم ہندوستان حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ، بانی مجلس احرار حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نمایاں ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے کھیت میں خود ہل چلاتے اور صرف اپنے ہی کھیت کی اگی ہوئی سبزیاں کھاتے، یعنی لقمۂ حلال اور طعامِ طیب کا خوب اہتمام کرتے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور جملہ جو وہ اپنے متوسلین اور خانقاہ میں تربیت اور تزکیہ کی غرض سے آنے والے حضرات سے فرمایا کرتے تھے: ’’اس کھیت میں بیج بویا گیا باوضو، ہل چلایا گیا باوضو، اس کو سیراب کیا گیا باوضو، کھیتی کاٹی گئی باوضو، کھانا پکایا گیا باوضو اور کھانا آپ حضرات کے سامنے پیش بھی باوضو کیا جارہا ہے، بس آپ اس کو باوضو کھالیں‘‘۔

ایک گھنٹے قیام کے بعد خانقاہ مسکین پور شریف سے روانہ ہونے کے بعد رات ضلع مظفر گڑھ ہی کے ایک مقامی ہوٹل میں قیام کیا اور بروز جمعرات بعد نماز فجر موسیٰ زئی کی طرف روانہ ہوئے۔ موسیٰ زئی صوبہ خیبر پختون خوا کے ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کی ایک یونین کونسل کا نام ہے۔ موسیٰ زئی میں ہمارے سلسلۂ نقشبندیہ کے تین بزرگوں یعنی حضرت خواجہ حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ، اُن کے خلیفہ حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے خلیفہ حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات واقع ہیں۔ وہاں ہم دوپہر ۲ بجے کے قریب پہنچے اور ایک گھنٹے وہاں رکے۔ ان حضرات کی قبور پر حاضری کے وقت خاص روحانیت محسوس کی جارہی تھی اور اقبال کا مصرع ’’ وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار‘‘ اپنی معنویت کھول رہا تھا۔ ان بزرگوں کے لیے ایصالِ ثواب اور دعا سے فراغت کے بعد ماحول کی برکت کا اندازہ کرکے اپنے لیے بھی خوب خوب دعائیں مانگیں۔ پھر وہاں سے روانہ ہونے کے بعد ملتان کے ایک ہوٹل میں رات قیام کیا اور صبح بروز جمعۃ المبارک بعد نماز فجر ملتان کے ضلع خانیوال کے لیے روانہ ہوئے۔ تقریبًا دن گیارہ بجے خانیوال میں حضرت مولانا عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پہنچے، وہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک پر حاضری دی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پاس آپ کی اہلیہ محترمہ جو اماں جی کے نام سے مشہور تھیں کی قبر مبارک بھی ہے۔ ایصالِ ثواب و دعا کے بعد مسجد و خانقاہ کا دورہ کیا، اس کے بعد وہاں سے کراچی کے لیے روانہ ہوئے اور اسی رات واپس کراچی پہنچے اور یہ تین روزہ اصلاحی سفر جو ۲۸ جولائی رات گیارہ بجے شروع ہوا تھا، ۳۰ جولائی ۲۰۲۱ء رات بارہ بجے اختتام پذیر ہوا۔

اس پورے سفر میں مفتی اویس پاشا قرنی صاحب مدظلہ وقتاً فوقتاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیتوں پر مشتمل کتابچہ ''وصایا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ'' کا مطالعہ کراتے رہے، ان وصیتوں میں علما سے گفتگو کے آداب، حسنِ معاشرت، بادشاہوں سے میل جول میں احتیاط، بڑوں کا ادب، ذکر اللہ کی کثرت، محاسبہ نفس، خرید وفروخت میں احتیاطیں، بری صحبت سے بچنے اور دیگر اہم دینی امور پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ استاذ محترم؛ امام صاحب کی وصیتیں نہ صرف پڑھ کر سناتے رہے بلکہ اس کی تشریح اور عملی وعلمی انطباق بھی سمجھاتے رہے۔ الحمد للہ اس تین روزہ سفر میں خوب برکتیں حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اس سفر میں ہمارے سلسلۂ نقشبندیہ کے دیگر بزرگوں کی قبور پر حاضری کے سفر کا ارادہ بھی کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سفر کی خیر وبرکتیں ہمارے لیے جمع کردے اور اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان سے محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِي يُبَلِّغُنَا حُبَّكَ

(ان بزرگوں کی قبور کی تصاویر شمارے کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں)

*****

صوفی جمیل الرحمن عباسی
مدیر ماہنامہ مفاہیم و ناظم شعبہ تحقیق و تصنیف، فقہ اکیڈمی

بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۳)

بنی اسرائیل اور مسلمان آمنے سامنے

مکہ میں اگرچہ اہلِ کتاب سے آپ ﷺ کا براہ راست آمنا سامنا نہیں ہوا لیکن اہلِ کتاب آپ ﷺ سے واقف ہو چکے تھے اور مشرکینِ مکہ کو، ان کی فرمائش پر مختلف سوالات سکھایا کرتے تھے۔ مشہور روایت ہے کہ انھوں نے مشرکین کو تجویز کیا کہ محمد (ﷺ) سے ذوالقرنین، اصحابِ کہف اور روح کے بارے میں سوال پوچھیں، چنانچہ ان سوالوں کے جواب سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف میں دیے گئے۔

نبی کریم ﷺ جب مکہ میں تھے تو اس طرح نماز پڑھا کرتے کہ دونوں قبلوں کا سامنا کر لیا کرتے، جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو سولہ سترہ مہینے آپ بیت المقدس کی طرف رخ فرما کر نماز ادا کرتے۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي وَهُوَ بِمَكَّةَ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَالْكَعْبَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَبَعْدَ مَا هَاجَرَ إِلَى الْمَدِينَةِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ صُرِفَ إِلَى الْكَعْبَةِ (مسند احمد) ''مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے نبی کریم ﷺ بیت المقدس کی طرف چہرہ کرکے اس طرح نماز پڑھا کرتے تھے کہ خانہ کعبہ بھی آپ کے سامنے رہا کرتا تھا، پھر جب آپ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں بھی سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے رہے، پھر آپ کو

کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا"۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَةُ الَّتِي فِي الْبَقَرَةِ: ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ (صحیح مسلم) "میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا رہا، یہاں تک کہ آیتِ مبارکہ ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ "اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنا چہرے پھیر لو اسی (کعبے) کی طرف"۔

ہجرت کے موقے پر جب آپ ﷺ قبا کے مقام پر پہنچے تو سب سے پہلے ایک یہودی نے ہی آپ ﷺ کو دیکھا تو اس نے پہچان لیا کہ یہی وہ رسول ہیں جن کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ اس سے رہا نہ گیا اور وہ اونچی آواز میں چلا اٹھا: یا معشر العرب هذا صاحبكم الذي تنتظرون (سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد) "اے گروہِ عرب! یہ تمھارے وہی صاحب ہیں جن کا تم انتظار کیا کرتے تھے"۔ ایک یہودی عالم، حصن بن سلام کو آپ ﷺ کے تشریف لانے کی اطلاع ملی، وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام پیش کرتے ہیں اور کچھ سوال و جواب کے بعد مسلمان ہو جاتے ہیں۔ حضور کریم ﷺ نے ان کا نام عبد اللہ تجویز فرمایا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اہلِ خانہ بھی مسلمان ہو گئے لیکن انھوں نے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔ آپ نے یہود کی اصلیت سامنے لانے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: "یا رسول اللہ! مجھے کسی کمرے میں جانے دیجیے اور اِدھر آپ یہود کو بلوا کر ان سے میرے بارے میں سوال کیجیے، لیکن ابتدائی طور میرے قبولِ اسلام کا ذکر نہ فرمائیے۔ جب یہود آ گئے تو آپ ﷺ نے ان سے کہا: ((يَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ وَيْلَكُمُ اتَّقُوا اللهَ فَوَاللهِ الَّذِى لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُونَ أَنِّى رَسُولُ اللهِ حَقًّا وَأَنِّى جِئْتُكُمْ بِحَقٍّ فَأَسْلِمُوا)) انھوں نے کہا: ہم تو اس بات کو جانتے ہی نہیں، آپ نے ان سے کہا: "یہ حصین بن سلام تم میں سے کیسا آدمی ہے؟" انھوں نے کہا: وہ ہمارے بہترین شخص ہیں اور ہمارے بہترین شخص کے بیٹے ہیں، وہ ہمارے سردار ہیں اور سردار کے بیٹے ہیں، وہ ہم سے بڑے عالم ہیں، سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "تمھارا کیا خیال ہے اگر وہ مسلمان ہو جائے؟"، تو انھوں نے کہا: اس سے اللہ کی پناہ، اس پر حضور کریم ﷺ نے فرمایا:

"اے ابن سلام! باہر آجاؤ"، وہ باہر تشریف لائے اور آتے ہی کہا: (أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ يَامَعْشَرَ الْيَهُودِ اتَّقُوا اللهَ وَاقْبَلُوا مَا جَاءَكُمْ بِهِ فَوَاللهِ الَّذِى لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُونَ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ حَقًّا ، تَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَكُمْ فِي التَّوْرَاةِ اسْمَهُ وَ صِفَتَهُ فَإِنِّى أَشْهَدُ إِنَّهُ رَسُولُ اللهِ وَ أُومِنُ بِهِ وَأُصَدِّقُهُ وَأَعْرِفُهُ) "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اے قوم یہود! اللہ سے ڈرو اور جو دعوت تمھارے پاس آئی ہے اسے قبول کرو، اللہ کی قسم تم جانتے ہو یہ سچے رسول ہیں جن کا نام اور جن کی صفات تم تورات میں لکھی ہوئی پاتے ہو، بے شک میں تو گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں میں آپ پر ایمان لاتا ہوں، آپ کی تصدیق کرتا ہوں اور آپ کو پہچانتا ہوں" یہودیوں نے جواب دیا: تم جھوٹ کہتے تم ہم میں سے بدترین آدمی ہو۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اسی بات کا ڈر تھا، میں نے تو پہلے ہی آپ کو بتایا تھا کہ یہ بہتان تراش، غدار، جھوٹی اور فاجر قوم ہے"۔ (سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد) اسی طرح میمون بن یامین، یہود کے ایک سردار تھے۔ انھوں نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان کی قوم نے ایمان سے انکار کر دیا۔ اسی طرح ابویاسر بن اخطب، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور پہچان گئے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، انھوں نے جاکر اپنی قوم سے کہا: أَطِيعُونِي فَإِنَّ هَذَا هُوَ النَّبِيُّ الَّذِي كُنَّا نَنْتَظِرُهُ "میری بات مانو (اور اسلام لے آؤ) یہ وہی نبی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے"، ان کے بھائی حیی بن اخطب نے ان کی مخالفت کی، نتیجتاً ان کا کوئی شخص اسلام نہ لایا۔ (سبل الہدی والرشاد، فی سیرۃ خیر العباد)۔ یہود کا تعصب دیکھیے کہ وہ اپنے اہل علم کی بات بھی مانتے نہ تھے۔

میثاقِ مدینہ

بہر حال نبی کریم ﷺ نے مدینہ آمد کے بعد ان کی عزت افزائی کرتے ہوئے انھیں میثاقِ مدینہ میں شامل کیا، جس کے نتیجے میں انھیں اپنے مذہب پر عمل کرنے اور آپس کے تنازعات اپنے مذہبی قانون کے مطابق حل کرنے کی اجازت دی گئی اور اختلاف کی صورت میں نبی کریم ﷺ کو حکم قرار دیا گیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ یہود مسلمانوں کے ساتھ مل

کر مدینے کا دفاع کریں گے اور مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد نہ کریں گے۔

یہود کی غداری اور جزیرۂ عرب سے ان کی بے دخلی

عہد شکنی یہود کی سرشت میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ بارہا اللہ اور اس کے رسولوں کے عہد توڑ چکے تھے۔ انھوں نے میثاقِ مدینہ کی پابندی نہیں کی اور یہ وعدہ خلاف قوم جلد ہی خیانت پر آمادہ ہوگئ: ﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ﴾ (مائدہ:۱۳) "آپ ہمیشہ ان کی طرف سے خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے سوائے تھوڑوں کے"۔ بنو قینقاع کے یہودیوں نے اوس اور خزرج کے درمیان افتراق پیدا کرنے کے لیے سازشیں شروع کیں، مسلمانوں کی توہین کرنا عام وتیرہ بنا لیا، یہاں تک کہ مسلمان عورتوں کو چھیڑنے سے بھی باز نہ آتے اور پھر مسلمانوں کو جنگ کی دھمکیاں تک دینے لگے۔ ان کی شرارتوں سے تنگ آکر آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کرلیا اور ہتھیار پھینکنے پر انھیں شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ اسی طرح یہود کے سردار کعب بن اشرف نے مکے کا سفر کرکے انھیں جنگ پر ابھارا، اس کی سازشوں کے سبب اسے قتل کیا گیا۔

بنو نضیر بھی آپ ﷺ کے ساتھ میثاقِ مدینہ میں شامل تھے۔ جس کے مطابق ایک دِیَت کی ادائی کے سلسلے میں مذاکرات کرنے آپ ﷺ ان کے علاقے میں تشریف لے گئے۔ جہاں ان لوگوں نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش تیار کر رکھی تھی۔ نبی کریم ﷺ کو وحی سے آگاہ کیا گیا تو آپ فوراً مدینہ تشریف لائے اور مسلمانوں کو جمع کرکے بنو نضیر کا محاصرہ کرلیا۔ جب یہود کو شکست کا خوف لاحق ہوا تو انھوں نے پیشکش کی کہ اگر ہماری جان بخشی کی جائے تو ہم مدینہ چھوڑ کر خیبر میں جا آباد ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اس کو قبول فرمایا اور یہ اپنی جان، مال و اولاد بچا کر خیبر جا آباد ہوئے۔

پانچ ہجری میں ہونے والے غزوہ خندق کا بڑا سبب، خیبر میں جا کر آباد ہونے والا یہودی قبیلہ بنو نضیر بنا تھا۔ اس کے سرداروں پر مشتمل وفد نے، جنگوں سے نڈھال مشرکین مکہ کو آمادۂ پیکار کیا اور پھر ارد گرد کے قبائل کے دورے کرکے انھیں شریکِ جنگ کیا اور دس ہزار کا لشکر مدینہ پر چڑھا لائے۔ مسلمانوں کو شہر کے گرد خندق کھود کر دفاع کرنا پڑا اور پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے اور شدید ترین آزمائش سے دوچار ہوئے۔

جب کفار کے مشترکہ لشکر نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا تو حُیَی بن اَخطَب، سردار بنی نضیر کی کوشش پر، مدینہ میں رہائش

پذیر واحد یہودی قبیلے بنو قریظہ کے لوگ نبی کریم ﷺ سے کیا ہوا معاہدہ توڑ کر، محاصرین کو رسد فراہم کرنے لگے، بلکہ گھٹیا پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمان عورتوں اور بچوں کی پناہ گاہوں کے چکر کاٹنے لگے۔ اللہ کی خصوصی نصرت کے سبب جب حملہ آور ناکام و نامراد واپس ہوئے تو اللہ تعالی کے خصوصی حکم کے تحت نبی کریم ﷺ نے آستین کے ان سانپوں کو باہر نکالنے کے لیے ان کا محاصرہ کر لیا۔ جب ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ ہتھیار ڈالنے کے لیے آمادہ ہو گئے تب ان کے سردار کعب بن اسد نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ اے یہود! تم خوب جانتے ہو محمد (ﷺ) وہی سچے رسول ہیں جن کا ذکر تم اپنی کتاب میں پاتے ہو۔ لیکن ان دشمنان خدا کی شقاوت دیکھیے کہ اسلام قبول نہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے اس شرط پر کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے بارے میں جو چاہے فیصلہ کریں ہتھیار پھینک دیے۔ مسلمانوں کا قبیلہ اوس، چونکہ اسلام سے قبل بنو قریظہ کا حلیف رہ چکا تھا اس لیے ان کے کچھ لوگ بنو قریظہ کے بارے میں رحم کی سفارش کرنے لگے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”کیا تم اس پر راضی ہو کہ بنو قریظہ کا فیصلہ تمھارا سردار سعد بن معاذ کرے“۔ چنانچہ انھیں بلوایا گیا۔ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ تمام جنگ کے قابل مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سعد تم نے وہی فیصلہ کیا جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالی کا فیصلہ ہے، چنانچہ اسی فیصلے پر عمل ہوا۔ بنو نضیر کا سردار، حُیی بن اخطب بھی لڑائی کی غرض سے بنو قریظہ کے قلعے میں موجود تھا سو وہ بھی گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ بوقت قتل اس نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ مجھے آپ کی مخالفت پر کوئی ملامت نہیں ہے لیکن جو اللہ سے لڑتا ہے وہ مغلوب ہو جاتا ہے“۔ پھر اس نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: ”لوگو اللہ کے فیصلے میں کوئی حرج نہیں، یہ وہ تقدیر اور وہ قتل ہے جو بنی اسرائیل پر اللہ نے لکھ رکھا تھا“۔ قتل کی اس سزا سے بچنے والا ایک ہی بالغ مرد تھا ۔اس کا نام عَمرو بن سُعدی تھا۔ یہ اپنے قبیلے کی غداری میں شامل نہ ہوا بلکہ اپنے معاہدے پر قائم رہا۔ گرفتاری پر مامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا اور یہ اپنی بستی سے نکل کر کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا، جیسے اپنے بھائی بندوں کی غداری پر شرمندہ ہو۔ بہر حال ہنگامۂ عام میں اکیلے وفاشناس کو آزاد چھوڑ دینا مسلمانوں کے عدل و انصاف کا ایک روشن ثبوت ہے۔ ہم ایک روایت پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ ایامِ جنگ میں بھی نبی کریم ﷺ یہود کو

ہدایت کی طرف دعوت دیتے بلکہ ان کے دنیاوی فائدے کا بھی حتی الامکان خیال رکھتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم مسجد میں بیٹھے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف تشریف لائے اور فرمایا: ”چلو یہود کی طرف“ ہم آپ ﷺ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ بیت المِدراس میں پہنچے۔ نبی کریم ﷺ نے کھڑے کھڑے یہود کو مخاطب کیا: ((یَا مَعْشَرَ يَهُودَ أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا)) ”اے گروہِ یہود! اسلام قبول کر لو محفوظ رہو گے“۔ اس پر اس ناہنجار قوم کا جواب دیکھیے: قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ ”اے ابوالقاسم! آپ نے بات پہنچا دی“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں یہی چاہتا تھا“۔ آپ ﷺ نے ان کو دوبارہ دعوت دی انھوں نے یہی جواب دیا قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ ”اے ابوالقاسم! آپ نے بات پہنچا دی“، پھر آپ ﷺ نے انھیں تیسری بار دعوت دی اور پھر فرمایا: ((اعْلَمُوا أَنَّ الأَرْضَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُجْلِيَكُمْ، فَمَنْ وَجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ، وَإِلاَّ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا الأَرْضُ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ)) ”جان لو بے شک زمین تو اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے اور میں نے تمھاری جلاوطنی کا ارادہ کیا ہے، پس تم میں سے جس کے پاس کوئی مال ہے تو وہ اسے بیچ سکتا ہے ورنہ جان لو زمین (اور اس کی چیزیں) اللہ اور رسول کے لیے ہیں“۔ اس روایت میں مذکور گروہِ یہود سے کون سا قبیلہ مراد ہے، روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے اور شارحین حدیث کی اس بارے میں آرا مختلف ہیں لیکن اس سے نبی کریم ﷺ کا عدل و انصاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود کو ان کی بدعہدی اور غداری کی سزا دیتے وقت بھی انھیں اسلام دعوت دی جس کا جواب انھوں نے ڈھٹائی سے دیا، اس پر آپ ﷺ نے انھیں اپنے اموال بیچ کر رقم کھری کرنے کی اجازت بھی دے دی۔

غزوۂ خندق برپا کرنے میں چونکہ یہودیانِ خیبر کا بہت حصہ تھا۔ اس لیے صلحِ حدیبیہ کی فرصت ملتے ہی آپ نے خیبر پر حملہ کیا اور کئی بار انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جسے انھوں نے قبول نہ کیا۔ یکے بعد دیگرے یہاں کے اکثر قلعے فتح ہو گئے تو یہود نے صلح کی درخواست کی جو آپ ﷺ نے کمال مہربانی سے قبول فرمالی۔ صلح کی شرط بھی یہود ہی نے پیش کی کہ ہمارے مال و اولاد سے تعرض نہ کیا جائے تو ہم خیبر چھوڑ کر کہیں چلے جاتے ہیں، آپ ﷺ نے یہ قبول فرما لیا۔ بعد میں

یہود نے خود درخواست کی کہ اگرچہ خیبر اور اس کی زمینیں مسلمانوں کی ملکیت ہیں لیکن بطور کاشت کار ہمیں خیبر میں رہنے دیا جائے تو ہم نصف پیداوار پیش کرتے رہیں گے۔ حضور کریم ﷺ نے یہ بات بھی منظور فرمالی البتہ شرط یہ رکھی کہ جلاوطنی والا فیصلہ بدستور برقرار رہے گا اور مسلمانوں نے کبھی مناسب سمجھا تو جلاوطنی کے اس فیصلے کو نافذ کیا جائے گا۔ معاہدے کی اس شق پر عمل درآمد، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں ہوا جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔

مسلمان شام میں

پچھلی بحث سے واضح ہو چکا کہ بیت المقدس کی تولیت امت محمدی کو سونپ دی گئی تھی۔ رومی ناجائز طور پر یہاں قابض تھے۔ جلد یا بدیر مسلمانوں نے بیت المقدس آزاد کرانا ہی تھا۔ لیکن کچھ ایسے قدرتی عوامل پیش آئے کہ مسلمانوں کی شام میں مداخلت جلدی ہی ہو گئی۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے حجاز کی ہمسایہ ریاستوں کو دعوتی خطوط ارسال کیے، ان میں سلطنتِ روم بھی شامل تھی۔ ان دنوں روم کی حکومت شام اور ملحق علاقوں یہاں تک کہ حدودِ حجاز تک پھیلی ہوئی تھی۔ حجاز کے متّصل علاقوں میں عرب قبائل آباد تھے جو ابتدائی طور پر رومیوں کے باج گزار تھے، لیکن بعد میں انھوں نے عیسائیت بھی قبول کر لی۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ کو اپنا نامۂ مبارک دے کر ہِرَقْل، قیصرِ روم کی طرف بھیجا۔ آپ کی ذمے داری یہ تھی کہ خط حاکم بصریٰ کو اس پیغام کے ساتھ دے دیں کہ وہ یہ خط قیصر تک پہنچا دے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب قیصرِ روم نے سلطنتِ فارس کو شکست دے کر بیت المقدس سمیت اپنے علاقے اس کے قبضے سے چھڑائے تھے۔ اظہارِ تشکر کے طور پر وہ ان دنوں بیت المقدس کی حاضری اور عبادت کے لیے آیا ہوا تھا۔ ایک دن قیصر نے صبح کی تو وہ خاصا پریشان تھا۔ اس کے پادری نے وجہ پوچھی تو کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ غالب آ گیا ہے۔ پادری نے کہا ختنہ کرنے والے تو یہودی ہیں جو آپ کی رعایا ہیں۔ اگر ان سے کوئی خطرہ ہے تو آپ ان کے قتلِ عام کا حکم دے دیں۔ لیکن قیصر اس بات سے مطمئن نہ تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ یہودیوں کے علاوہ اور کون سی قوم مختون ہے۔ انھی دنوں ایک غسّانی عرب ہرکارہ کسی کام سے اس کے پاس آیا تو اسے خیال آیا اور تحقیق کی تو پتا چلا کہ عرب ختنہ کرنے والی قوم

ہے۔ اسے یہ اطلاع تو مل چکی تھی کہ عرب میں ایک شخصیت نے نبوت کا دعوی کیا ہے البتہ وہ ان کی حقانیت سے واقف نہ تھا، اب اسے یقین ہونے لگا کہ یہ سچے نبی ہیں اور ان کی قیادت میں عرب غالب ہونے والے ہیں۔

وہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں تفصیل سے جاننا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ہرکاروں سے کہا کہ اگر ہمارے ملک میں عرب کا کوئی تاجر موجود ہو تو اس کو پیش کیا جائے۔ ابو سفیان (رضی اللہ عنہ) جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ شام میں موجود تھے۔ قیصر کے سپاہیوں نے انھیں قافلے سمیت دربار میں پیش کیا۔ قیصر نے پوچھا کہ تمھارے ہاں جس شخص نے نبوت کا دعوی کیا ہے تم میں سے اس کا قریب ترین کون ہے۔ ابو سفیان نے خود کو پیش کیا۔ قیصر نے بقیہ قافلے والوں سے کہا کہ میں اس سے سوال کروں گا، اگر یہ جواب میں جھوٹ کہے تو تم لوگ مجھے بتا دینا۔ ابو سفیان کہتے ہیں کہ میں جانتا تھا کہ میرے ساتھی مجھے کبھی نہ جھٹلائیں گے لیکن میں ایک سردار تھا لہذا مجھے جھوٹ بولتے ہوئے شرم آئی۔ بہت سارے سوال جواب ہوئے، ہر جواب پر ہرقل کہتا کہ ہاں نبی ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب گفتگو ختم ہوئی تو ہرقل نے کہا: وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ لَمْ أَكُنْ أَظُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ فَلَئِنْ كُنْتَ صَدَقْتَنِي لَيَغْلِبَنَّ عَلَى مَا تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ، وَلَوَدِدْتُ أَنِّي عِنْدَهُ فَأَغْسِلُ عَنْ قَدَمَيْهِ "میں جانتا تھا کہ ایک نبی ظاہر ہو گا لیکن میرا یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہو گا۔ اگر جو تو نے بیان کیا وہ سچ ہے تو میرے پاؤں تلے والی زمین پر بھی اس کا قبضہ ہو جائے گا، اور میری خواہش ہے کہ میں اس تک جا سکتا تو اس کے قدم دھو کر پی لیتا"۔

انھی دنوں رسول اللہ ﷺ کا خط اس تک پہنچ چکا تھا، اس نے خط کی تعظیم کی اور بڑے ادب سے خط پڑھا اور اپنی گود میں رکھا۔ پھر اس نے روم میں موجود اپنے دوست کو، جو عیسائیت کا عالم اور عبرانی کا ماہر تھا؛ خط لکھا۔ ہرقل نے خط میں لکھا: إِنَّهُ النَّبِيُّ الَّذِي يُنْتَظَرُ لَا شَكَّ فِيهِ فَاتَّبِعْهُ "یہ وہی نبی ہیں جن کا انتظار کیا جا رہا تھا، اس میں کوئی شک نہیں، پس تم بھی ان کا اتباع کرو"۔ ادھر شام کے بڑے پادری سے بھی قیصر نے مشاورت کی اور اس نے بھی نبی کریم ﷺ کے نبی برحق ہونے کی گواہی دی۔ اب ہرقل نے اپنے سرکردہ درباریوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کی حقانیت کا اقرار کرتے ہوئے انھیں اسلام کی دعوت دی: يَا مَعْشَرَ الرُّومِ، إِنَّهُ قَدْ جَاءَنِي كِتَابُ أَحْمَدَ، وَإِنَّهُ وَاللهِ النَّبِيُّ الَّذِي كُنَّا

نَنْتَظِرُ وَنَجِدُ ذِكْرَهُ فِي كِتَابِنَا، نَعْرِفُهُ بِعَلَامَاتِهِ وَزَمَانِهِ، فَأَسْلِمُوا وَاتَّبِعُوهُ تَسْلَمْ لَكُمْ دُنْيَاكُمْ وَآخِرَتُكُمْ"اے اہلِ روم! میرے پاس احمد (علیہ السلام) کا خط آیا، خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے، جن کا ذکر ہم اپنی کتاب میں پاتے ہیں، جن کو ہم ان کی علامات اور ان کے وقتِ بعثت سے پہچانتے ہیں، پس اسلام لے آؤ اور ان کا اتباع کرو، تمھاری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی"۔اس کے درباریوں کا تعصب دیکھیں کہ یہ سنتے ہی محفل کے آداب کے برخلاف باہر کو بھاگے، لیکن شاہِ روم نے پہلے ہی دروازے بند کرا رکھے تھے، اِس نے اُنھیں واپس بلایا اور سلطنت کو خطرے میں دیکھ کر کہنے لگا کہ میں تو تمھاری اپنے دین کے ساتھ لگاوٹ کو جانچ رہا تھا۔اس پر اس کے درباریوں نے اس کو سجدہ کیا اور خوش ہو گئے۔اگرچہ قیصر روم کا بادشاہ تھا لیکن اہل روم کے تعصب سے واقف تھا جس کے ڈر کی وجہ سے وہ اسلام نہ لایا۔اس نے اپنی بے چارگی ظاہر کرتے ہوئے اپنے ایک پادری سے کہاإِنْ فَعَلْتُ ذَهَبَ مُلْكِي وَقَتَلَنِي الرُّومُ " اگر میں یہ قبول اسلام کروں تو میری بادشاہی چلی جائے اور رومی مجھے قتل کر دیں"(تاریخِ ابنِ کثیر)قیصرِ روم حق کو پہچاننے کے باوجود ایمان نہ لایا، جس کے نتیجے میں عیسائی سلطنت میں اسلام کی دعوت کو پذیرائی نہ مل سکی۔اگرچہ قیصرِ روم کے سفارتی آداب کا خیال کرنے کے سبب فوری طور پر جنگ و جدل کا موقع نہیں آیا لیکن آگے چل کر اس کا ایک سلسلہ جاری ہوا۔محسوس ہوتا ہے کہ قیصر جب شام سے روم کی طرف روانہ ہوا تو اس کو خدشہ تھا کہ شام اس کے ہاتھوں سے جلد یا بدیر نکلنے والا ہے۔چنانچہ اس نے شام کو یوں الوداع کہا:السَّلَامُ عَلَيْكِ يَا أَرْضَ سُورِيَةَ تَسْلِيمَ الْوَدَاعِ"اے ارض شام تجھ پر سلام، الوداعی سلام"۔(واللہ اعلم)

سلطنتِ روم سے تصادم

شام کا اک شہر بُصری جو (عراق کے شہر بَصرہ سے الگ شہر) ہے۔یہ قیصر کی عملداری میں تھا اور اس کی طرف سے حارث بن ابي شمر الغسانی یہاں کا حاکم تھا۔نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف حارث بن عمیر الازدی رضی اللہ عنہ کو خط دے کر بھیجا۔جب وہ موتہ کے مقام پر پہنچے تو قیصر کی طرف سے "بلقاء" کے حاکم شُرَحبیل بن عمرو الغسانی نے آپ کو گرفتار کر کے شہید کر دیا۔رسول اللہ ﷺ کے یہ واحد سفیر تھے جو کہ شہید کیے گئے۔غسانیوں کی طرف سے یہ اعلانِ جنگ تھا۔

آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنے سفیر کے قتل کا بدلہ لینے کی غرض سے ایک لشکر موتہ کی طرف روانہ کیا۔ آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا اور فرمایا اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب کمانڈر ہوں گے اور اگر یہ شہید ہوئے تو عبد اللہ بن ابی رواحہ امیر ہوں گے اور اگر یہ بھی شہید ہو گئے تو پھر مسلمان خود کسی کو امیر بنالیں۔ آپ نے انھیں حکم دیا کہ پہلے انھیں اسلام کی دعوت دیں، اگر وہ نہ مانیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں اور ان سے قتال کریں۔

رومیوں نے ایک لاکھ اور بعض روایات کے مطابق دو لاکھ کا لشکر جمع کیا جبکہ مسلمان تین ہزار تھے۔ مسلمانوں نے دشمن کی کثرت کو دیکھ مشاورت کی، بعض کی رائے تھی کہ حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو خط لکھ کر صورتِ حال سے آگاہ کیا جائے، لیکن اس موقعے پر حضرت عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ایک جوشیلی تقریر کی: يَا قَوْمِ وَاللهِ إِنَّ الَّتِي تَكْرَهُونَ لَلَّتِي خَرَجْتُمْ تَطْلُبُونَ الشَّهَادَةُ وَمَا نُقَاتِلُ النَّاسَ بِعَدَدٍ وَلَا قُوَّةٍ وَلَا كَثْرَةٍ مَا نُقَاتِلُهُمْ إِلَّا بِهَذَا الدِّينِ الَّذِي أَكْرَمَنَا اللهُ بِهِ فَانْطَلِقُوا فَإِنَّمَا هِيَ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ إِمَّا ظُهُورٌ وَإِمَّا شَهَادَةٌ ''اے لوگو! خدا کی قسم، تم جس شہادت کے لیے نکلے تھے اسی کو ناپسند کرنے لگے ہو۔ ہم لوگ تعداد اور قوت و کثرت کی بنیاد پر نہیں لڑتے ہم تو اس دین کی برکت سے لڑتے ہیں جس کے ذریعے اللہ نے ہمیں عزت دی۔ آگے بڑھو اور یاد رکھو! دو اچھی چیزوں میں سے ایک تمھاری منتظر ہے، یا تو تمھارے لیے فتح و غلبہ ہے یا تمھارے لیے شہادت کا رتبہ ہے''۔ اس پر تمام مجمع کی رائے آپ کے موافق ہو گئی اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا: ''خدا کی قسم! ابنِ رواحہ سچ کہتے ہیں''۔ یہ تاریخ کی عجیب لڑائی ہے۔ تین ہزار کا ایک دستہ، لاکھوں کے لشکر کے سامنے کھڑا ہے، صف بندی کے بعد مسلمانوں نے تند و تیز حملے سے ابتدا کر کے پہلے تو دشمن کو حیران اور پھر پریشان کر دیا۔ مسلمان اس خوبی سے لڑے کہ پورا دن رومیوں کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ رات کو لڑائی موقوف ہوئی۔ دوسرے دن بھی یہی حال رہا کہ مسلمان رومیوں کو میدانوں میں دوڑاتے اور گراتے رہے۔ تیسرے دن حملے میں پہل رومیوں نے کی اور اس دن، نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی خبر کے عین مطابق مسلمانوں کے تینوں امرا شہید ہوئے اور یہ دن بھی بغیر فیصلے کے ختم ہوا۔ چوتھے دن مسلمانوں کی قیادت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ انھوں نے ایک تو فوج کو نئی ترتیب سے کھڑا کیا اور دوسرے ان کے جھنڈے بدل ڈالے، تیسرا کام یہ کیا کہ کچھ ٹولیاں تشکیل دیں جو ڈھول اڑاتیں، نعرہ تکبیر لگاتیں، وقفوں وقفوں سے

میدانِ جنگ میں شامل ہوتی رہیں جس سے مخالفین نے سمجھا کہ مسلمانوں کی کمک آگئی ہے۔ اب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور آپ کی فوج نے زوردار حملہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ ایسے لڑے کہ آپ کے ہاتھوں سے اس دن نو تلواریں ٹوٹیں۔ آپ نے اپنی فوج کو پسپا کرتے ہوئے آہستہ آہستہ میدان جنگ سے دور کر دیا۔ رومیوں نے اس کو ایک چال سمجھا اور آگے بڑھنے سے احتراز کیا۔ شام تک تمام مسلمان فوج میدانِ جنگ سے ہٹ گئی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے واپسی کا فیصلہ کیا، رومیوں نے بھی آپ کا تعاقب کرنے سے گریز کیا۔ چنانچہ مسلمان خیریت سے مدینہ واپس ہوئے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ چار دن کی اس جنگ میں مسلمانوں کے بارہ افراد شہید ہوئے جبکہ مخالف فوج کے ہزاروں سپاہی ہلاک ہوئے۔ مسلمان فوج کا قیصرِ روم کی دو لاکھ فوج کا مقابلہ کرنا اور چار دن سخت قتال کرنا اور انھیں سخت جانی نقصان سے دوچار کر کے خیریت سے واپس آجانا ایک عظیم فتح تھی۔ عرب قبائل اور آس پاس کی ریاستوں اور خود سلطنت روم پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہوگئی جس نے آئندہ فتوحات میں اہم کردار ادا کیا۔ (شرح الزرقاني على المواهب اللدنيه)

غزوۂ تبوک

نبی کریم ﷺ کی حقانیت کے ثبوت اور قیصر کے عرب کے غلبے کے خواب کی سچائی کے سبب قیصرِ روم نبی ﷺ کے مقابلے پر دل و جان سے آمادہ نہیں تھا۔ غزوۂ موتہ کی ہزیمت کے سبب بھی اہلِ روم مسلمانوں سے خوفزدہ تھے۔ لگتا نہیں تھا کہ رومی مسلمانوں پر حملہ آور ہوں گے۔ لیکن سنہ ۹ ہجری میں یہ واقعہ پیش آیا کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو یہ اطلاع دی (معاذ اللہ) عرب کے نبی انتقال کر گئے ہیں اور مسلمانوں کے حالات دگرگوں ہیں۔ اب روم شاہی لالچ میں عرب کی نوزائیدہ ریاست کی جانب متوجہ ہوا، قیصر نے عرب پر فوج کشی کی تیاری شروع کر دی۔ قیصر کی تیاری کی خبر شامی تیل کے تاجروں کے ذریعے مدینہ پہنچ گئی۔ ان دنوں کھجور کی فصل اترنے والی تھی اور مسلمان کسی سفر کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ ایک تو فصل اتارنے کے لیے مردوں کا موجود رہنا ضروری تھا اور دوسری طرف فصل اترنے سے پہلے معاشی حالات اچھے نہیں ہوتے، لہٰذا سازوسامان کی قلت تھی اور پھر موسم بھی بہت سخت تھا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے پیغمبرانہ فراست کا مظاہرہ کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کہ رومی فوجیں ہماری سرحدوں میں داخل ہوں، ہمیں ان کی طرف پیش قدمی

کرنی چاہیے۔ یہ ایک عظیم فیصلہ تھا۔ سلطنتِ روم کو نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کا بابرکت وجود ریاستِ مدینہ پر بدستور سایہ فگن ہے بلکہ ان پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ مسلمان متحد و منظم ہیں اور ان کے حوصلے جوان ہیں۔

تبوک کے موقعے پر ڈھکے چھپے منافقین سامنے آ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دل کھول کر انفاق کیا۔ اس کے باوجود مسلمانوں کے پاس سواریوں کی کمی تھی۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو جہاد پہ نکلنا چاہتے تھے وہ حضور ﷺ کے پاس آکر خود کو پیش کرتے، لیکن آپ ﷺ فرماتے: ''میرے پاس سواری نہیں کہ تمھیں سوار کروں'' اور وہ صحابہ روتے ہوئے واپس جاتے۔ خوراک کی بھی قلت تھی اور بسا اوقات چند کھجوروں پہ گزارا ہوتا۔ البتہ راستے میں نبی کریم ﷺ کی برکت سے بعض دفعہ معجزانہ طور پر ایسا بھی ہوا کہ تھوڑا سا کھانا یا پانی تمام لوگوں کو کافی ہو جاتا، لیکن اس کے باجود یہ تنگی اور سختی والا سفر تھا، اس لیے اس لشکر کو جیش العسرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی۔ جب مسلمان تبوک کے چشمے پر پہنچے تو اس میں بہت ہی تھوڑا پانی تھا۔ کافی دیر بعد تھوڑا سا پانی جمع ہوا جو ایک برتن میں ڈالا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس برتن میں اپنے ہاتھ اور چہرۂ اقدس دھویا اور پانی دوبارہ کنویں میں ڈال دیا۔ آپ ﷺ کے استعمال شدہ پانی کی برکت سے چشمے سے بڑی مقدار میں پانی جاری ہو گیا جو تمام لوگوں کے لیے کافی ہوا۔ نبی کریم ﷺ دس دن سے اوپر اور بعض روایات کے مطابق بیس دن تبوک میں قیام پذیر رہے لیکن قیصر نے آپ ﷺ کے مقابلے میں آنے کی ہمت نہ کی۔ ایک قریبی علاقے اَیلہ کا عیسائی حاکم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ ﷺ کو ایک خچر تحفے میں پیش کیا بدلے میں حضور کریم ﷺ نے ایک چادر اس کو عطا کی۔ عیسائی حاکم نے اطاعت گزاری کا وعدہ کیا جو آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور اس پر جزیہ عائد کیا۔

حدودِ شام میں واقع دو چھوٹے شہروں، جرباء اور اذرح کے حاکموں نے بھی حاضر ہو کر اطاعت گزاری اختیار کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ دومۃ الجندل نسبتاً ایک بڑا شہر تھا۔ اکیدر وہاں کا حکمران تھا۔ آپ ﷺ نے خالد بن ولید اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک فوج ادھر روانہ کی۔ آپ ﷺ نے انھیں تاکید کی تھی کہ اکیدر کو قتل نہ کرنا بلکہ گرفتار کر کے لے آنا۔ یہ حضرات رات کے وقت وہاں پہنچے تو وہ چند لوگوں کے ساتھ قلعے سے باہر ''چودہ کے چاند اور شراب کے جام'' سے

لطف اندوز ہو رہا تھا، مسلمانوں نے حملہ کیا تو اس کے ساتھیوں نے مزاحمت کی۔ جس پر حاکم کا بھائی مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور حاکم ''اُکیدر'' گرفتار ہوا۔ اس نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے کر صلح کی درخواست کی جو منظور ہوئی اور آپ ﷺ نے اس پر بھی جزیہ عائد کیا اور اس کی اطاعت قبول فرمائی۔ (بعض سیرت نگاروں کے مطابق اکیدر نے اسلام قبول کیا تھا لیکن اکثر کے نزدیک وہ عیسائی ہی رہا۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں لکھا ہے: ''یہ احتمال ہے کہ پہلے تو اس نے جزیے پر صلح کی ہو اور بعد میں مسلمان ہو گیا ہو، لیکن اس نے بعد میں ارتداد اختیار کیا اور اس کا خاتمہ کفر پر ہی ہوا'')۔

آپ ﷺ جب تک تبوک میں رہے، ہرقل؛ حِمص میں قیام پذیر رہا۔ آپ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو اس کی طرف خط دے کر روانہ کیا جو پہلے بھی اسے خط پہنچا چکے تھے۔ آپ ﷺ نے اسے قبولِ اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ انکار کی صورت میں جزیہ ادا کرو یا پھر جنگ کے لیے تیار رہو۔ ہرقل نے اپنے عمائدین اور پادریوں سے مشورہ کیا۔ اس کی کوشش تھی کہ عمائدین اسلام پر راضی ہو جائیں تو اجتماعی طور پر اسلام قبول کیا جائے، تاکہ مجھے حکومت نہ چھوڑنی پڑے، لیکن اس کے ساتھی راضی نہ ہوئے۔ تب اس نے ایک منافقانہ چال چلی کہ آپ ﷺ کی طرف تحفے تحائف ارسال کیے اور ایک خط لکھا کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے خط پڑھتے ہی فرمایا: ''وہ دشمنِ خدا جھوٹ کہتا ہے، وہ مسلمان نہیں ہوا بلکہ نصرانیت ہی پر ہے''۔ بہر حال آپ ﷺ نے اس کے تحفے قبول کر کے مجاہدین میں تقسیم کر دیے۔ اب آپ ﷺ نے اصحابِ کرام سے مشورہ کیا کہ ''کیا پیش قدمی جاری رکھی جائے یا واپسی کا سفر شروع کیا جائے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یا رسول اللہ! روم کی آبادی بہت زیادہ ہے اور ان کے ملک میں کوئی مسلمان بھی نہیں ہے، ہم نے قریب آ کر انھیں خوفزدہ کر دیا ہے۔ اس سال ہمیں واپس چلنا چاہیے، ہو سکتا ہے آئندہ اللہ کوئی اور صورت پیدا فرما دے''۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ کی رائے کو تسلیم کیا اور واپسی کا فیصلہ فرمایا۔ (المواہب اللدنیہ)

جاری ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ
نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

مدرسہ کھولا ہے دوکان نہیں!

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) ایک دن ہمیں وصیت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ دیکھو بھائی یہ میں نے مدرسہ کھولا ہے کوئی دوکان نہیں کھولی ہے، اور میں اس کو ہر قیمت پر چلانے کا مکلف بھی نہیں ہوں، میں اس کا مکلف ہوں کہ اپنی حد تک اس کو چلانے کی جتنی کوشش ہو سکتی ہے وہ کروں اور اس کو ہمیشہ چلاتے رہنے کا بھی مکلف نہیں ہوں، لہذا جب تک اصولِ صحیحہ کو برقرار رکھتے ہوئے اس کو چلا سکو تو چلاؤ، لیکن جس دن اس کو چلانے کے لیے اصولِ صحیحہ کو قربان کرنا پڑے اس دن اس کو تالا ڈال کر بند کر دینا کیونکہ مدرسہ بذاتِ خود مقصد نہیں بلکہ (مقصد) اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور وہ اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب مدرسہ اصولِ صحیحہ پر چلایا جائے، یہ کوئی دوکان نہیں ہے کہ اس کا ہر حال میں چلتے رہنا ضروری ہو، اس کو بند کر کے کوئی اور دھندا دیکھ لو، کوئی اور کام کر لو۔

یہ ایسی کانٹے کی بات فرمائی تھی کہ عام طور سے جب مدرسے قائم کیے جاتے ہیں تو دماغ میں یہ ہوتا ہے کہ اس کو ہر حال میں چلانا ہی ہے، اگر صحیح راستہ اختیار کیے ہوئے نہیں چلتا تو غلط راستہ اختیار کو، لیکن وہ کہتے تھے کہ غلط راستے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، تو جب صحیح راستے سے نہیں چل رہا ہے تو بند کرو، آخرت میں سوال نہیں ہوگا کہ تم نے بند کیوں کر دیا، ساری عمر اسی اصول پر عمل فرمایا، مدرسوں کے اندر جو جذبات ہوتے ہیں ان کی کبھی رعایت نہیں کی۔

جب دارالعلوم نانکواڑہ سے یہاں منتقل ہو رہا تھا تو آپ لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ یہ جگہ کیا تھی، ایسا ویرانہ اور ریگستان، اور صحرا تھا کہ جس میں دور دور تک نہ پانی، نہ بجلی، نہ فون، نہ پنکھا، نہ بس اور (نہ ہی) کوئی اور آمد و رفت کا ذریعہ، بس ڈیڑھ میل دور جاکر ملتی تھی وہ بھی سدا جنگل تھا۔ پانی شرافی گوٹھ کے کنویں سے بھر کر لاتے تھے، یہاں پانی نہیں تھا، ایسی جگہ مدرسہ قائم کیا تھا۔

اس وقت بہت سے ایسے اساتذہ جو بڑے مشہور تھے اور ہمارے ہاں پڑھا رہے تھے وہ یہاں آنے پر تیار نہیں تھے، اس لیے کہ یہاں کی زندگی بڑی پُر مشقت تھی، بہت سے حضرات اور بڑے بڑے اساتذہ جن میں چند ایسے اساتذہ بھی تھے جو دارالعلوم کی بنیاد سمجھے جاتے تھے وہ چلے گئے، ان کے جانے سے ظاہر ہے مدرسے کے اوپر اثر پڑتا تھا، تو لوگوں نے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاکر کہنا شروع کردیا کہ جب اتنے بڑے بڑے اساتذہ چلے گئے ہیں تو مدرسہ کیسے چلے گا؟ لہذا کسی مشہور استاذ کو خط لکھ دیں کہ آپ ان کو بلانا چاہتے ہیں، لیکن والد صاحب نے کہا کہ یہ میرے اصول کے خلاف ہے، میں یہ نہیں کرسکتا کہ ایک مدرسے کو اجاڑ کر دوسرا مدرسہ آباد کروں، لہذا اگر کوئی کہیں کام کررہا ہے، تو میں اس کو بیع علی بیع أخیہ نہیں کروں گا، ہاں اگر خود سے اللہ تعالیٰ عطا فرمادیں تو یہ دوسری بات ہے۔

ایک سال ایسا ہوا کہ دورۂ حدیث شریف کی جماعت میں میں بارہ یا تیرہ طالب علم تھے، لوگوں نے کہا کہ دورۂ حدیث کی جو جماعت ہے اور بارہ تیرہ طالب علم ہیں، کہا کوئی ضروری تھوڑا ہی ہے کہ طلبہ کی بھیڑ جمع کریں، ہمارے جو صحیح طریقے ہیں ان سے ہم جتنا کرپارہے ہیں اسی کے مکلف ہیں، چاہے وہ بارہ ہوں یا دس ہوں یا پانچ ہوں، ایک بھی نہ ہو نہ سہی، لیکن اصولِ صحیحہ کو قربان کرکے طلبہ کی جماعت بڑھا دوں یہ نہیں کروں گا، سالہا سال یہ صورت حال رہی، کئی سال تک یہ صورت حال رہی کہ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ بھائی دیکھو، فلاں مدرسے میں اتنے طالب علم ہیں اور اس میں بارہ چودہ طالب علم ہیں، فرماتے: وہ ہوا کرے، ہمیں کوئی جماعت بڑھانا تھوڑا ہی مقصود ہے، ہمارا مقصد دین کی خدمت ہے چاہے وہ جس طرح بھی ہوجائے، کسی کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹائیں گے، ایک استاذ کافی ہے، کسی نے کہا کہ حضرت یہ تو حالتِ ضرورت اور اضطرار ہے، انھوں نے جواب دیا کہ صاحب! یہ مولویانہ تاویلات چھوڑو، میں یہ کام نہیں کروں گا، جس کے بارے میں

معلوم ہو کہ وہ خود کہیں سے چھوڑنا چاہتے ہیں ان کو بلالوں گا، ساری عمر یہی کام کیا۔ یہ پلے باندھنے کی باتیں ہیں، جب مقصود دین ہی ہے پھر ہر معاملے میں دین کی تعلیم کو مدنظر رکھنا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے، یہ نہیں کہ مدرسے کے لیے اور معیار ہے اور دوسروں کے لیے اور معیار ہے۔

(پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنو، ۱۰ فروری ۲۰۱۶ء)

* * * * *

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتوبات

مدیر ماہنامہ مفاہیم کراچی کی جانب سے

قارئین کے نام

الحمدللہ، قارئین کے عمدہ ذوق اور دلچسپی کے پیشِ نظر ماہنامہ مفاہیم میں قارئین کے لیے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔ اس سلسلے کا عنوان ہے "مکتوبات"۔ اس عنوان کے تحت قارئین کی جانب سے ارسال کیے گئے مراسلے، تبصرے، تجاویز اور خطوط شائع کیے جائیں گے۔

تو پھر دیر کس بات کی! قلم اٹھائیے اور بھیجیے اپنا مکتوب اس ای میل ایڈریس پر:

mafaheem@fiqhacademy.com.pk

مفتی نذیر احمد ہاشمی مدظلہ
رئیسِ شعبہ تحقیق وتصنیف، فقہ اکیڈمی

القواعد الفقهية

القاعدة الثالثة: المشقة تجلب التيسير (۲)

(۲) شرعی رخصتیں: جو عوارض کے پیش نظر دی جاتی ہیں۔ عوارض کبھی سماوی ہوتے ہیں، جیسے بچپن، دیوانگی، پاگل پن، بھول، نیند، مرگی، بے ہوشی، غلامی، مرض، موت وغیرہ۔

بچپن (صغر سنی) سے وہ امور جو ایک بالغ سے ساقط ہونے کا احتمال رکھتے ہیں، ساقط ہوجاتے ہیں۔ جس طرح کہ بالغ کی دیوانگی سے روزہ نماز وغیرہ ساقط ہوجاتے ہیں، اگر بچہ عبادات کی ادائیگی کرے توادائیگی صحیح ہوجائے گی، یعنی اخروی ثواب اس کو مل جائے گا۔ لیکن ایمان کا فریضہ ایسا ہے جو بچے سے ساقط نہیں ہوسکتا، یعنی اگر اس کو اختیار کیا گیا تو صحیح تصور کیا جائے گا، لہذا وہ فرض جو قابل سقوط ہے، اگر اس کو بچہ ادا کرے گا تو یہ اس کے حق میں نفل کا درجہ رکھے گا، فرض کا نہ رکھے گا۔ جس طرح کہ نماز پڑھے یا روزہ رکھے۔ غور کیجیے اگر بچہ عدم بلوغ کی حالت میں ایمان لے آئے تو فریضہ ایمان کے تمام توابع اس کے لیے ثابت متصور ہوں گے۔ باقی رہا یہ امر کہ کیا ان ایمانی توابع کی ادائیگی بھی اس کے ذمے لازم کی جائے گی یا نہیں؟ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس عمل سے اس پر کوئی ذمے داری ہوتی ہو وہ عمل قابل معافی ہوگا۔ لیکن ایسا عمل جس کے کرنے سے اس کا ذمہ مشغول نہ ہوتا ہو وہ عمل صحیح ہوگا۔ چناں چہ اگر بچے نے اپنے کسی مورث کو قتل کردیا، ہمارے نزدیک میراث سے محروم نہ ہوگا۔ لیکن کفر کیا یا کسی کی غلامی میں داخل ہوگیا تو اب میراث سے محروم ہوجائے گا۔

جنون (دیوانگی) سے تمام عبادات ساقط ہوجاتی ہیں۔ لیکن خبط الحواسی یا کم عقلی احکام میں اس کا حکم وہ ہے جو بچے کا ہے۔ چناں چہ اس کے قول و فعل صحت پر مبنی ہوں گے۔ مثلاً اگر کسی کا مال ضائع کر دے گا ضمان عائد ہوگا۔ اگر کسی نے وکیل بنایا تو وکالت صحیح ہوگی، بیع اور اجارہ ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے لیکن مشغول بذمہ نہیں سمجھا جائے گا۔

نسیان (بھول) اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اس معنی کے لحاظ سے معاف ہے کہ گناہ گار نہ ہوگا اور حقوق العباد میں معاف نہیں۔ روزے دار کا بھول کر کھانا پینا اس کے روزے کو باطل نہیں کرتا۔ انسان اگر مذکِّر کی موجودگی میں ہو تو عذر نہیں۔ مثلاً نماز میں بھول کر بات کرنے سے نماز باطل ہوجائے گی، کیوں کہ حالت صلاۃ مذکِر موجود ہے۔ اور مذکِر کی عدم موجودگی میں عذر شمار ہوگا، مثلاً روزے کی حالت میں بھول کر کھانا پینا روزہ باطل نہیں کرتا، کیوں کہ روزہ فعل نہیں جو مذکِر شمار ہو بلکہ ترک ہے، لہذا یہ نسیان عذر شمار ہوگا اور روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

نوم (نیند): کی حالت میں انسان چوں کہ قدرت کے استعمال سے عاجز ہوتا ہے اس لیے خطابِ شرع اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا لیکن وجوب اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ چوں کہ نیند کی حالت غیر اختیاری قرار دی گئی ہے، اس لیے اس حالت کی طلاق یا غلام کی آزادی باطل ہوگی۔

غشی: بے ہوشی کے دورے کا بھی یہی حکم ہے کیوں کہ اس دورے میں عقل معطل ہوجاتی ہے، فہم خطاب کی اہلیت ختم ہوجاتی ہے، قویٰ بے کار ہوجاتے ہیں جس طرح نیند میں۔ اب اگر یہ حالت طویل ہوگئی تو پھر ادا بھی ساقط ہوجائے گی۔ مثلاً ایک دن اور رات سے زائد بے ہوش رہا یا مرگی میں مبتلا رہا تو نماز ساقط ہوجائے گی۔

غلامی: کے وصف کو شریعت نے عجز قرار دیا ہے۔ گو یہ حقیقی نہیں حکمی عجز ہے۔ چناں چہ حج اور نماز جمعہ اس سے معاف ہوں گے، نماز اور روزہ نہیں۔ زنا، چوری، قتل میں غلامی مؤثر نہیں، ان جرائم کے ارتکاب پر شرعی سزا ملے گی۔

مریض: اپنی قدرت کے مطابق عبادات ادا کرے گا (خارج از قدرت طریقہ ادائیگی معاف ہوگا) لہذا اگر قیام پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز ادا کرے گا اور اگر بیٹھنے کی قدرت بھی نہ ہو تو چت لیٹ کر نماز ادا کرے گا۔ نیز جان، عضو کے تلف ہونے کا یا مرض کی زیادتی یا دیر سے تندرست ہونے کا خوف ہو تو تیمم کرنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح رمضان کا روزہ

چھوڑنا(بعد میں قضاء کرے گا)، رمی جمرات میں نائب بنانا، محظورات احرام کی اباحت مع الفدیہ، (حکیم حاذق کے مشورے پر)علاج بالنجاسات کی اباحت، طبیب کا عورت اور ستر کا علاج کی نظر سے دیکھنا۔

حیض ونفاس:حیض ونفاس سے اہلیت ساقط نہیں ہوتی، لیکن چوں کہ نماز کے لیے طہارت شرط ہے، اور وہ اس زمانے میں ممکن نہیں، اس لیے نماز کی ادائیگی نہیں رہتی۔اب اگر اس پر نمازوں کی قضاء واجب کر دی جائے تو یہ عورت کے لیے شدید تکلیف کا سبب ہو گا، لیکن روزے کے حق میں ایسا نہیں۔وہ ایک سال میں ایک ہی مرتبہ واجب ہوتے ہیں)لہذا ، مخصوص ایام کی نمازوں کی قضا عورت پر سے ہٹا دی گئی لیکن روزوں کی قضالازم قرار دی گئی۔

موت:حنفیہ کے نزدیک میت کے لیے اہلیت وجوب ثابت ہے، لیکن اس اہلیت وجوب سے اس کے ذمے نئے حقوق اور التزامات مرنے کے بعد ثابت نہیں ہوں گے۔ البتہ دوران حیات(جو حقوق تھے ان میں سے)بعض حقوق ثابت اور بعض التزامات(جو زندگی میں اس پر عائد ہوتے تھے)مرنے کے بعد بھی اس پر عائد ہوں گے۔اگر چہ دنیوی احکام کی اہلیت ختم ہو جاتی ہے لیکن میت کی کچھ ضروریات کی ادائیگی کا حکم باقی رہتا ہے۔ چناں چہ اولاد اس کی تجہیز وتکفین، بعدہ ادائیگی دیون پھر بقیہ مال کی ایک تہائی سے تکمیل وصیت۔

جہل(لاعلمی)یہ عوارض مکتسبہ میں سے ہے۔درج ذیل مواقع میں جہل عذر بن سکتا ہے:

(۱)شفعہ کرنے والے کی بیع سے لاعلمی تاخیر طلب شفعہ کے لیے عذر بن سکتی ہے۔

(۲)وکیل اور قاضی کی اپنی معزولی اور مجور کی اپنے حجر سے لاعلمی ان کے تصرفات صحیح ہونے کے لیے عذر شمار ہو گی، حتی کہ ان کو علم ہو جائے۔

(۳)کسی نے غیر کا مال لاعلمی میں کھالیا تو اس کو عذر شمار کیا جائے گا، گناہ گار نہ ہو گا۔لیکن ضمان لازم ہو گا۔

(۴)عمداً قتل کرنے والے کو اولیاء مقتول میں سے بعض نے معاف کر دیا، جبکہ بعض دیگر نے اس کو قتل کر دیا اور قتل کرنے والے اس بات سے لاعلم رہے کہ بعض اولیاء کی معافی سے قصاص معاف ہوتا ہے۔اس لاعلمی کی بنیاد پر ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور علم ہونے کی صورت میں قصاص لیا جائے گا۔

(۵)اگر بیع میں کوئی ایسا وصف ہو کہ جس کا عیب ہونا لوگوں پر مشتبہ ہو خریدنے والے نے اس وصف کو جانتے ہوئے وہ مبیع خرید لی، بعد میں اس کو اس وصف کے عیب ہونے کا علم ہوا تو مشتری کو مبیع کے رد کرنے کا اختیار حاصل ہوگا اور اس کے اس علم بالوصف کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

(۶)لونڈی کا آزادی کے خیار سے لاعلم رہنا اس کے حق میں عذر ہے۔

(۷)دارالکفر میں مقیم نومسلم کا احکام شریعت سے لاعلمی عذر شمار ہوگا، اور احکام شرعیہ کا مکلف نہیں گردانا جائے گا۔ چناں چہ اگر اس نے محرمات کا ارتکاب کر لیا، ان کی حرمت سے لاعلم رہتے ہوئے تو اس کو معذور شمار کیا جائے گا۔

نشہ: اگر نشہ سبب مباح سے ہے، مثلاً کسی نے لاعلمی میں شراب پی لی یا حالت اضطرار میں شراب پی لی اور اس کو نشہ چڑھ گیا تو اس کا حکم وہی ہے جو بے ہوشی کا ہے۔

کم عقلی و سفہ: یہ ایک ایسا عذر ہے، جس کی وجہ سے ایسے شخص کے آزادانہ تصرفات پر پابندی عائد کی جاسکے گی۔

خطا: یہ بھی ایک ایسا عذر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حق میں اثرانداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو اس کی بیوی کے علاوہ کوئی دوسری عورت حوالے کی گئی اور اس نے اس کے ساتھ وطی کر لی تو اس کو حد نہیں لگائی جائے گی، اور نہ ہی وہ زنا کے گناہ کا مرتکب ہوگا، اگرچہ اس کو مجرم شمار کر کے تعزیر لگائی جائے گی۔

اسی طرح کسی نے شکار سمجھ کر تیر مارا اور اس کو قتل کر دیا، بعد میں اسے علم ہوا کہ وہ شکار نہیں، ایک انسان تھا جو قتل ہو گیا، تو اس پر قتل عمد کا قصاص نہیں ہوگا۔ اگرچہ سوچ و بچار میں کمی کوتاہی کا مرتکب ہونے کی بنا پر اس کو تعزیر لگائی جائے گی اور محل معصوم ہونے کی بنا پر دیت لازم ہوگی۔ یہ نہیں کہ یہ دیت فعل حرام کا بدلہ ہوگا۔

عسر و عموم بلویٰ: اسباب مشقت میں سے ہونے کی وجہ سے یہ سبب بھی باعث تخفیف و تیسیر ہے۔ عسر سے مراد کسی چیز سے بچنے میں مشکلات ہیں اور عموم بلویٰ سے مراد وہ امر جس سے انسان کو اکثر واسطہ پڑتا ہے۔ اور اس سے بچنا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ اس سبب سے انسان کو جو تخفیفات ملتی ہیں، ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

(۱)جس نجاست کا اثر دھونے سے زائل کرنا مشکل ہو، اس کے ہوتے ہوئے نماز کا جواز۔

(۲) بچھو اور کھٹمل کا خون جو کپڑے کو لگا ہو، چاہے وہ کثیر بھی ہو، نماز کا جواز۔

(۳) سوئی کے سروں کی طرح کے پیشاب کے ذرات /قطرے جو کپڑے کو لگے ہوں، یا گلی محلے کا کیچڑ اور چڑیا و کبوتر کی بیٹ جو کپڑے کو لگی ہو، چاہے کثیر ہو، ان سب کی موجودگی میں جواز نماز۔

(۴) قلیل نجس دھواں، گیلی شلوار کو گوز (ریاح) کی گندی ہوا کا لگنا معاف ہے۔

(۵) پتھر سے استنجا کا جواز، باوجود اس کے؛ کہ پتھر نجاست کو زائل کرنے والا نہیں ہے۔

(۶) بے وضو ہونے کی حالت میں تعلیم و تعلم کی خاطر بچوں کا قرآن مجید کو ہاتھ لگانا۔

(۷) ہر وضو کے وقت موزوں کو اتارنے کی مشقت کی وجہ سے حالتِ حضر میں بھی موزوں پر مسح کرنے کا جواز، لیکن غسل کے وقت مشقت نہ ہونے کی وجہ سے موزوں کا اتارنا ہے، کیوں کہ غسل کی نوبت کبھی کبھار آتی ہے۔

(۸) پانی میں، زیادہ کھڑے رہنے یا مٹی کے ہونے یا وہ شے جس سے پانی کو بچانا مشکل ہو کی وجہ سے، تغیر آجائے تو اس پانی کو باوجود تغیر کے پاک سمجھا جائے گا۔

(۹) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اندھے نابینا آدمی پر جمعہ اور حج واجب نہیں، اگرچہ اس کے پاس قائد بھی موجود ہو دفعاً للمشقۃ۔

(۱۰) جب تک پانی انسان کے اعضا پر نہ گرا ہو، تو اس کو ماءِ مستعمل نہیں بلکہ ماءِ طاہر سمجھا جائے گا۔

(۱۱) حائضہ عورت پر نمازوں کی قضا کا نہ ہونا تکرار کی وجہ سے، جبکہ روزے کی قضا کا واجب ہونا عدمِ تکرار کی وجہ سے۔

(۱۲) مکلف صاحب استطاعت پر تخفیف کی غرض سے حج کا عمر میں ایک دفعہ فرض ہونا۔ اسی طرح مکلفین پر تخفیف اور تیسیر کی غرض سے زکوٰۃ کا ڈھائی فیصد صاحب نصاب پر مقرر کرنا۔

(۱۳) اضطراری حالت میں مال غیر کے کھانے کی اجازت (جبکہ بغیر اضطرار کے غیر کا مال کھانا جائز نہیں) ضمان کے وجوب کے ساتھ۔

(۱۴)ریشمی لباس کو خارش اور جنگ (دشمنان دین کے ساتھ) کے موقعے پر پہننا۔

(۱۵)ندامت کے دفع کے لیے مبیع میں خیار شرط کی مشروعیت۔

(۱۶)اسی طرح مشتری کے لیے مبیع کا لوٹانا خیار عیب کی وجہ سے۔

(۱۷)شریعت مطہرہ اگر یہ پابندی لگادیتی کہ ہر شخص اپنے معاملات خود انجام دے اور اپنے مال کو خود ہی دوسرے کو دیے بغیر ثمر آور اور منافع بخش بنائے تو اس کی وجہ سے لوگ عظیم مشقت سے دوچار ہوجاتے، اس لیے کہ بعض لوگوں کے پاس سرمایہ تو ہوتا ہے لیکن ان کو تجارت کی سوجھ بوجھ نہیں ہوتی اور بعض لوگوں کے پاس تجارت کی مہارت ہوتی ہے، لیکن تجارت کے لیے درکار سرمایہ نہیں ہوتا۔ اس عظیم مشقت سے بچانے کی خاطر شریعت مطہرہ نے مضاربت کو جائز قرار دیا ہے کہ سرمایہ دار اپنا سرمایہ دوسرے (تجارت کی سمجھ بوجھ رکھنے والے) کے حوالے کردے اور حاصل شدہ منافع فیصد کے اعتبار سے تقسیم کرلیں۔

(۱۸)حرج کے دفع کے لیے وکیل اور قاضی کی معزولی کو ان کے علم پر محصور کیا گیا ہے۔

(۱۹)علاج کی غرض سے حکیم/ڈاکٹر کو مریض کا ستر دیکھنا حرج کے دفع کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے۔

(۲۰)منگنی کے وقت لڑکی (غیر محرمہ) کا دیکھنا جائز قرار دیا گیا ہے، یہ نہیں کہ نکاح کی صحت کے لیے منگیتر کا دیکھنا شرط ہے، اگر ایسا ہوتا تو بغیر دیکھے نکاح صحیح نہ ہوتا، حالاں کہ منگیتر کو دیکھے بغیر بھی نکاح صحیح ہے، کیوں کہ بہت سارے لوگ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو منگنی کا پیغام دینے والے کی نظر سے اپنی عزت کی حفاظت کی خاطر بچانا چاہتے ہیں۔ چناں چہ آسانی اور تخفیف اس میں ہے کہ بیع کی طرح نکاح میں خیار رؤیت کا ثبوت نہ مانا جائے۔

(۲۱)اسی طرح بیک وقت چار شادیوں کی اجازت مرد کے لیے مشقت سے بچنے کی خاطر دی گئی ہے۔

(۲۲)زوجین کو باہم نفرت کرنے سے بچانے اور شادی کے مقاصد پورے نہ ہونے کی خاطر طلاق کو مباح کیا گیا ہے۔ حالاں کہ طلاق کو ابغض الحلال فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح تیسری طلاق سے پہلے خلع، افتدا اور دوران عدت رجوع کرنا بھی تخفیف اور تیسیر کی خاطر ہے۔

(۲۳)اجتہاد کے غلط ہونے کی صورت میں مجتہدین سے گناہ کو ساقط کرنا اور اکتفاء بالظن میں ان پر آسانی کرنا۔ اگر ان کو یقین پر عمل کا مکلف کیا جاتا تو ایک تو یقین تک رسائی مشکل ہوتی ہے، دوسرا اس طرح ان کو مشقت میں مبتلا کرنا ہوتا، لہذا مشقت سے بچانے کی خاطر ان کو ظن پر عمل کر کے یقین کی حد تک پہنچنے سے ان کو معاف کر دیا گیا۔

(۲۴)تخفیفات کی فہرست میں موت کے وقت وصیت کی مشروعیت بھی ہے کہ میت سے زندگی میں جو کمی کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان کی تلافی ہو سکے۔ زندگی میں کمی کوتاہیاں کثیر الوقوع ہوتی ہیں، اگر موت کے وقت انسان کو وصیت کرنے سے روک دیا جائے تو یہ اس پر تنگی اور مشقت ہوگی۔ وصیت کی مشروعیت سے انسان کو ایک موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ ان کاموں کی تلافی کا سامان کر سکے، جن کا کرنا اس پر زندگی میں واجب تھا اور وہ نہ کر سکا۔ لیکن ثلث سے زیادہ کی وصیت کی اجازت نہیں دی گئی، کیوں کہ اس میں وَرَثہ کو ضرر پہنچتا ہے اور ضرر ایک امر شاق اور باعثِ تنگی ہے۔ لہذا ثلث مال سے زائد کی وصیت کا جواز وَرَثہ کی اجازت پر موقوف رکھا گیا ہے۔

اکراہ: عوارضِ مکتسبہ میں سے ہے۔ بعض علما نے اس کی مندرجہ ذیل تعریف کی ہے:

حمل الغير على أن يفعل مالا يرضاه ولا يختار مباشرته لو خلي ونفسه. کسی کو ایسے کام پر مجبور کرنا جس کو وہ ناپسند کرتا ہے اور اگر اس کو مجبور نہ کیا جائے تو وہ اس کام کو کرنا پسند نہ کرے۔ بعض دیگر علما نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: حمل الغير على أمر يمتنع عنه بتخويف يقدر الحامل على ايقاعه ويصير الغير خائفا به (کشف الاسرار، ۱۵۰۳/۶) کسی آدمی کو دھمکی دے کر کسی ایسے کام کرنے پر مجبور کرنا، جسے وہ نہیں کرنا چاہتا اور دھمکی دینے والا اپنی دھمکی کو عملی شکل دینے پر قادر ہو اور دوسرا آدمی اس سے خوفزدہ ہو۔

اکراہ کی اقسام:

اکراہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) جان یا کسی عضو کے تلف کرنے کی دھمکی۔ اس کو اکراہِ ملجی اور اکراہِ تام کہا جاتا ہے۔ یہ اکراہ؛ رضا کو معدوم اور اختیار کو فاسد کر دیتا ہے۔

(۲) قید طویل یا ایسی مار پیٹ کی دھمکی جس سے جان یا کوئی عضو ضائع نہ ہو اس کو اکراہِ غیر ملجی یا غیر تام کہا جاتا ہے۔ یہ

اکراہ؛ رضا کو معدوم اور اختیار کو فاسد نہیں کرتا۔ بالفاظ دیگر اکراہ کی دونوں قسموں میں اختیار معدوم نہیں بلکہ موجود رہتا ہے۔ البتہ اکراہِ ملجی میں اختیار فاسد اور اکراہِ غیر ملجی میں تام اور مکمل رہتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک انسان کے مکلف ہونے کی شرط صرف وجود اختیار ہے صحت اختیار نہیں، فاسد اختیار مکلف رہنے کے لیے کافی ہے۔

اکراہ کے ذریعے انسان کو جس کام پر مجبور کیا جائے وہ کام مکرہ علیہ کہلاتا ہے۔

انسانی اعمال کی تین قسمیں ہیں (۱) تصرفات، (۲) اقرارات، (۳) افعال، اس اعتبار سے اکراہ اور مکرہ علیہ کی بھی تین قسمیں ہیں:

مکرہ علیہ کی پہلی قسم:

تصرفات، تصرفات کی دو قسمیں ہیں: (۱) جو فسخ کو قبول نہیں کرتے اور نہ وہ رضامندی پر موقوف ہوتے ہیں، ان پر اکراہ اثر انداز نہیں ہوتا، مثلاً طلاق، عتاق، نکاح، رجعت، نذر، ظہار، ایلاء،، دم عمد کی معافی اور یمین وغیرہ۔ ان پر اکراہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اکراہ کی صورت میں بھی یہ صحیح اور نافذ ہوتے ہیں۔

(۲) وہ تصرفات جو فسخ کو قبول کرتے ہیں اور رضا پر موقوف رہتے ہیں۔ مثلاً بیع، رہن، اجارہ وغیرہ عقود و تصرفات اکراہ کی صورت میں یہ تصرفات شرط انعقاد (قصد) کی وجہ سے منعقد تو ہوجاتے ہیں، لیکن شرط صحت (رضا) کے فقدان کی وجہ سے فاسد رہتے ہیں۔ عندالاحناف انعقاد عقد کے لیے اختیار کافی ہے اور انفاذ عقد کے لیے رضا شرط ہے۔ چناں چہ بعد زوال الاکراہ اگر مکرہ نے ان تصرفات کی صراحتًا یا دلالتًا اجازت دے دی تو یہ تصرفات صحیح ہوجائیں گے۔

مکرہ علیہ کی دوسری قسم:

اقرارات ہیں۔ اکراہ کی صورت میں مکرہ کے تمام اقرارات اور اسباب عقوبات باطل ہوں گے۔ ان پر اکراہ اثر انداز ہوتا ہے۔

مکرہ علیہ کی تیسری قسم:

مکرہ علیہ کی تیسری قسم افعال ہیں۔ پھر افعال کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ جس میں مکرَہ مکرِہ کے لیے آلہ بن سکتا ہو، مثلاً

قتل، ضرب اور اتلاف مال۔ ان افعال کی نسبت (اکراہ میں) مکرِہ (حامل) کی طرف جائے گی۔ چناں چہ قتل عمد پر اکراہ کی صورت میں قصاص حامل مکرِہ پر اور قتل خطا میں مکرِہ کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔ اور اکراہ کی صورت میں مال تلف کرنے کا ضمان حامل (مکرِہ) پر ہوگا۔

(۲) افعال کی دوسری قسم وہ ہے کہ جن میں فاعل حامل کے لیے آلہ نہیں بن سکتا۔ مثلاً وطی اور کھانا پینا وغیرہ۔ کیوں کہ وطی اور کھانے پینے میں انسان دوسرے کے لیے آلہ نہیں بن سکتا بلکہ اپنے منہ سے کھاتا پیتا ہے، اپنے ذکر سے وطی کرتا ہے۔ اگر مذکورہ بالا افعال زبردستی جبر واکراہ سے دوسرے سے کروائے گئے تو ان کی نسبت فاعل کی طرف ہوگی نہ کہ حامل (زبردستی کرنے والے) کی طرف۔ یہی وطی کا معاملہ ہے کہ حد یا رجم کی سزا زنا کرنے والے کو ملے گی، نہ کہ جبر واکراہ کرنے والے کو۔ اور اس طرح اکراہ مکرَہ کے لیے سبب تخفیف شمار نہ ہوگا۔

وہ افعال کہ جن کا کرنا ضرورت کے وقت شریعت اسلامیہ نے مباح قرار دیا ہے، مثلاً شراب نوشی، خون اور مردار کا کھانا۔ اکراہ کی صورت میں شراب نوشی اور مردار کھانا نہ صرف حلال بلکہ واجب ہے، اور نہ کرنا باعث گناہ ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے وقت ان اشیا کو مباح قرار دیا ہے اور حفاظت جان کی خاطر مباح کا کھانا واجب ہوتا ہے، جیسا کہ عام حالات میں تحفظ جان کی خاطر روٹی کھانا واجب ہے۔ اس صورت میں اکراہ سببِ تخفیف ہوگا۔

وہ افعال کہ جن کی حرمت سقوط کا احتمال نہیں رکھتی، لیکن رخصت کا احتمال رکھتی ہے، مثلاً کلمۂ کفر کا کہنا، کہ حالتِ اکراہ میں بھی اس کی حرمت قائم رہتی ہے اور اس کا کہنا حرام ہوتا ہے، لیکن اکراہ کی صورت میں کلمۂ کفر کہنے پر گناہ اور عذاب نہ ہوگا، بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ یہ بھی سبب تخفیف ہے۔

اکراہ کی صورت میں مال غیر کو تلف کرنے کی اجازت ہے، البتہ اس کا ضمان مکرِہ پر ہوگا، مکرَہ پر نہیں۔ تخفیف: مالِ غیر کے کھانے اور تلف کرنے کی صورت میں ہے۔

خلاصہ کلام: افعال مکرَہ علیہ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) اکراہ کی صورت میں مردار کھانا فرض ہے، اگر اکراہ ملجی ہو۔ (اکراہ سببِ تخفیف ہے)۔

(۲)اکراہ کی صورت میں زنااور قتل کسی صورت میں جائز نہیں ۔(اکراہ ان دونوں میں سببِ تخفیف نہیں)۔

(۳)اکراہ کی صورت میں کلمۂ کفر زبان سے کہنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو۔اس صورت میں صرف زبان سے کلمۂ کفر کہنے کی حد تک تخفیف ہے۔

(۴)اکراہ کی صورت میں رمضان کا روزہ کھولنا مباح ہے (یہ بھی سبب تخفیف ہے)۔

تخفیفات شرع کی اقسام:

شریعت کی تخفیفات کئی قسم پر ہیں:

(۱)تخفیفِ اسقاط: یعنی ساقط کرنے کی صورت میں ۔ مثلاً اعذار کی موجودگی میں عبادات کا ساقط ہونا۔

(۲)تخفیفِ تنقیص: مثلاً سفر میں قصر پڑھنا، اس قول کے مطابق جو پوری (اتمام) کو اصل سمجھتا ہے جن (یعنی حنفیہ) کے نزدیک قصر اصل ہے اور پوری کرنا اس کے بعد فرض ہوا ہے تو ان کے نزدیک سفر میں قصر نماز ادا کرنا صرف صورۃً تخفیف ہے۔

(۳)تخفیفِ ابدال: مثلاً غسل اور وضو کی تبدیلی تیمم کے ساتھ اور نماز میں قیام کی تبدیلی بیٹھنے اور اضطجاع (پہلو کے بل لیٹنے) کے ساتھ اور رکوع وسجدہ کی تبدیلی اشارے کے ساتھ اور روزے کی تبدیلی اطعام کے ساتھ۔

(۴)تخفیفِ تقدیم: مثلاً مقام عرفات میں دونوں نمازوں کو جمع کرنا اور سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا اور صدقۂ فطر رمضان میں ادا کرنا، سال پورا ہونے سے پہلے صحیح قول کے مطابق نصاب کے مالک ہونے کے بعد زکوٰۃ میں اور شخص کی موجودگی ذمے داری اور ولایت کی صفت کے ساتھ صدقۂ فطر میں۔

(۵)تخفیف تاخیر: مثلاً مزدلفہ میں دو نمازوں (مغرب اور عشاء) کا جمع کرنا، بیمار اور مسافر کے لیے رمضان کے روزے موٴخر کرنا، اور اس شخص کے لیے نماز کو موٴخر کرنا جو کسی ڈوبنے والے کو نکالنے میں مصروف ہو اور یا اس جیسے کسی اور کام میں مصروف ہو۔

(۶)تخفیفِ ترخیص: رخصت دینے کی صورت میں ۔ مثلاً پتھر کے ساتھ استنجا کرنے والی کی نماز بقیہ ناپاکی کے ساتھ۔

اور گلے میں اٹکی ہوئی چیز لقمہ وغیرہ نگلنے کے لیے پانی کی عدم موجودگی میں شراب پینا (جب کہ جان جانے کا خطرہ ہو)۔

(۷) تخفیفِ تغییر: مثلاً خوف کی وجہ سے نماز کے نظم میں تبدیلی وتغیر۔

فائدہ: مشقت اور حرج کا اعتبار وہاں کیا جاتا ہے، جہاں نص نہ ہو اور اگر نص کے خلاف ہو تو پھر اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے طرفین (امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما) فرماتے ہیں حرم کی گھاس پر جانوروں کا چرانا حرام ہے اور اس کا کاٹنا بھی مگر اذخر کو۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حرج کی بنیاد پر چرانے کو جائز قرار دیا ہے۔ اور اس پر رد ہوتا ہے اس سے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ نص کے مقابلے میں حرج کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جنایات الاحرام میں ذکر کیا ہے۔ اور باب الانجاس میں فرمایا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نص کی موجودگی میں ابتلاے عام کا اعتبار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ انسان کے پیشاب میں ابتلاے عام ہے، پھر بھی اس کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ اور منیۃ المصلی کی شرح میں ہے: متاخرین میں سے بعض نے غلیظہ کی تفسیر میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر زیادتی کی ہے اور وہ یہ کہ "اس سے اجتناب میں کوئی حرج نہیں ہے"۔ اور صاحبین کے قول پر "غلیظہ" کی تفسیر میں "ولا بلوی في إصابته" اور کوئی ابتلاء نہیں ہے، جیسا کہ یہ بھی الاختیار میں ہے۔ اور محیط میں ہے کہ یہ زیادتی (اضافہ) اچھی ہے۔ اس کی گواہی باب کے چند فروعی مسائل دیتے ہیں اور یہ کہ "ولا حرج في اجتنابه ولا بلوی في إصابته" دو عبارتوں کے اختلاف کی بنا پر، وہ جنس مکلفین کی طرف نسبت کی بنا پر ہے (ان کی کثرت اور قلت کی بنا پر نہیں) پس اس مشہور قضیے کے صادق ہونے پر اتفاق ہے: إن ما عمّت بليته خفت قضيته "جس میں ابتلاے عام ہو جاتا ہے اس کے معاملے میں تخفیف پیدا ہوتی ہے"۔

نوٹ: ایک سببِ تخفیف نوٹ ہونے سے رہ گیا تھا، چلتے چلتے اس کا بھی ذکر کردوں، جس کا ذکر ابن نجیم نے الاشباہ والنظائر میں "النقص" کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ بھی مشقت کی ایک قسم ہے، پس اس کی وجہ سے تخفیف مناسب ہے۔ النقص (کمی) کی وجہ سے جو تخفیف ملتی ہے، وہ درج ذیل ہے:

(۱) بچہ اور مجنون کو مکلف نہیں بنایا گیا ہے اور دونوں کے مالوں کو ولی کے حوالے کیا گیا ہے، اور ان کی تربیت وپرورش کو عورتوں کے سپرد کیا گیا ہے۔ لیکن عورتوں پر آسانی کی خاطر اس بارے میں جبر نہیں کیا گیا۔

(۲)عورتوں کو بہت سارے ان کاموں کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے جن کا مردوں کو مکلف بنایا گیا ہے۔ مثلاً نماز باجماعت، جمعہ، جہاد(نفیر عام نہ ہونے کی صورت میں، ورنہ عورتوں پر بھی فرض ہوگا)اور جزیہ۔

(۳)ریشم کے کپڑے اور سونے کے زیور کا ان کے لیے مباح ہونا۔

(۴)غلام کو ان بہت ساری چیزوں کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے، جن کے آزاد لوگ مکلف ہیں۔ مثلاً حدود اور عدت میں۔غلام پر حد زنا کے پچاس کوڑے اور باندی کی عدت دو حیض ہے۔

*****

احمد شاہ عرف احمد ندیم قاسمی (۲۰۰۶_۱۹۱۶)

معروف شاعر، نقاد، افسانہ نگار

خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اترے

خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اترے
وہ فصلِ گل، جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

یہاں جو پھول کھلے، وہ کھلا رہے صدیوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

یہاں جو سبزہ اُگے، وہ ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبز، کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو

گھنی گھٹائیں یہاں ایسی بارشیں برسائیں
کہ پتھروں سے بھی روئیدگی محال نہ ہو

خدا کرے کہ نہ خَم ہو سرِ وقارِ وطن
اور اس کے حُسن کو تشویشِ ماہ و سال نہ ہو

ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا اوجِ کمال
کوئی ملول نہ ہو، کوئی خستہ حال نہ ہو

خدا کرے کہ میرے اِک بھی ہم وطن کے لیے
حیات جرم نہ ہو، زندگی وبال نہ ہو

خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اترے
وہ فصلِ گل، جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

*****

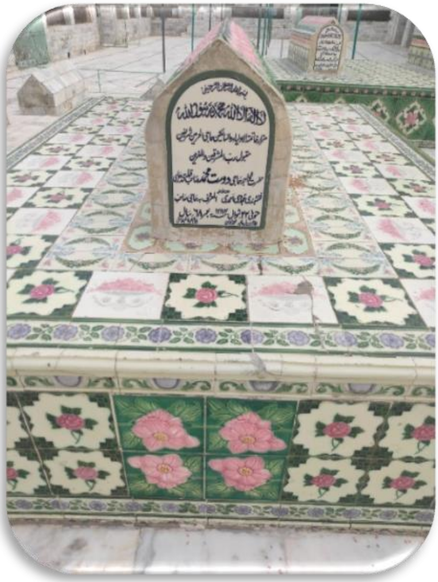

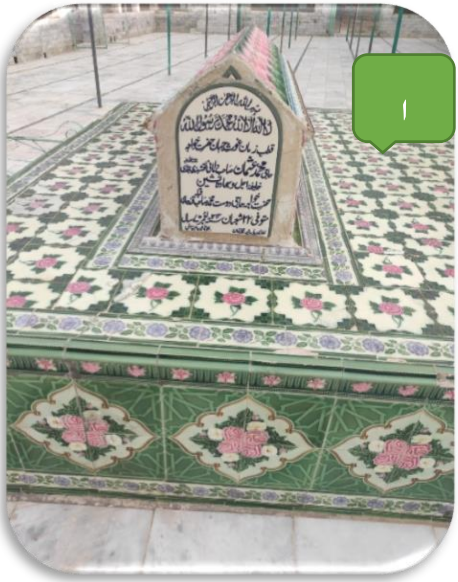
۱

۲

۳
مرقد مبارک
حضرت خواجہ پیر سید
محمد فضل علی
قریشی نقشبندی مجددی
مسکین پوری

۱)خلیفہ حضرت خواجہ حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ

۲)خلیفہ حضرت خواجہ حاجی محمد عثمان دامانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳)خلیفہ حضرت خواجہ حاجی محمد سراج الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۴)خلیفہ حضرت خواجہ محمد فضلِ علی قریشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

*****